تیری یاد خارِ گلاب ہے

از

عمیرہ احمد

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

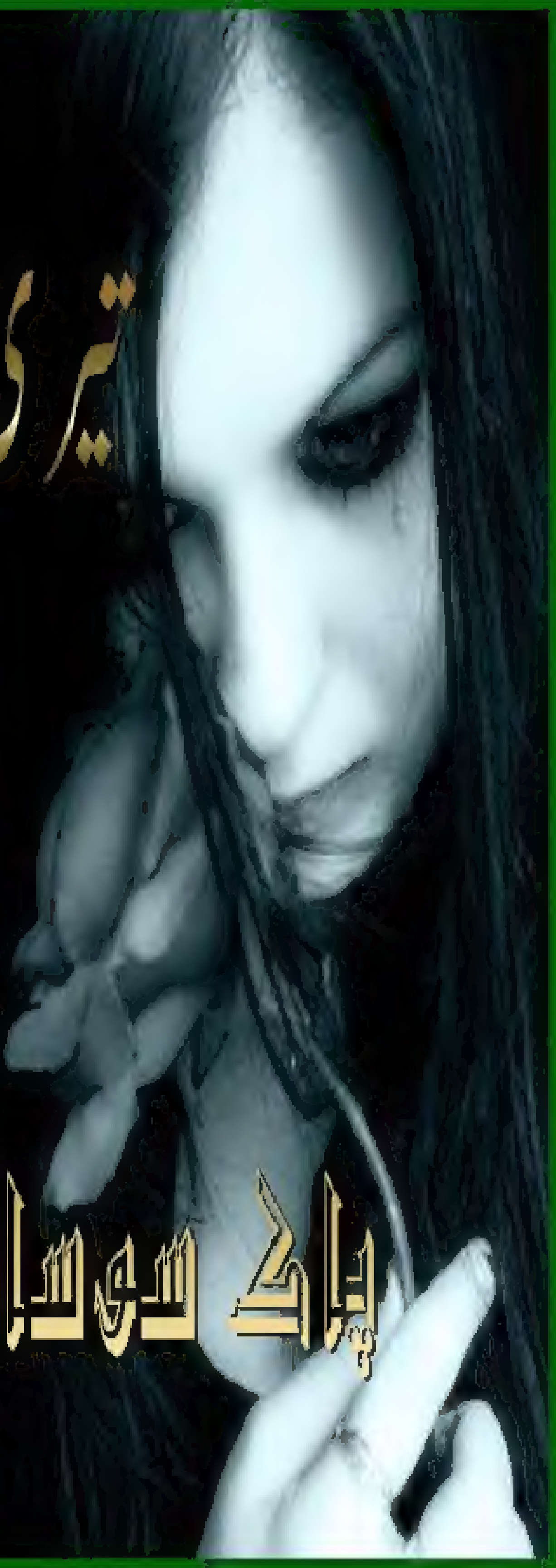

تیری یاد خارِ گلاب ہے

"سنیں!" وہ گاڑی لاک کر رہا تھا جب ایک آواز نے اچانک اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ سفید چادر میں ملبوس ایک حواس باختہ سی لڑکی اس کے پاس کھڑی تھی۔

"مجھے ایک فارم لا دیں۔" اس کے مڑتے ہی اس نے التجائیہ انداز میں کہا تھا۔

کوئی شناسا چہرہ ہوتا تو اول تو وہ کبھی بھی اس سے مدد مانگنے کی حماقت نہ کرتا اور اگر کرتا بھی تو وہ بڑی رکھائی سے اسے اپنی مدد آپ کی تلقین کرتا۔ وہ مزاجاً کچھ ایسا ہی بے مروت اور بے لحاظ واقع ہوا تھا۔ ایک تیکھی سی نظر اس نے اس لڑکی کے چہرے پر ڈالی تھی۔

"آپ کے ساتھ کوئی نہیں ہے؟" بڑے بے تاثر انداز میں اس نے پوچھا تھا۔

"نہیں میں اکیلی آئی ہوں۔" وہ ہاتھ میں پکڑے رومال سے اپنے ماتھے پر آیا ہوا پسینہ خشک کرتے ہوئے بولی تھی۔

"ایڈمشن فارم چاہیے آپ کو؟"

"ہاں وہی چاہیے۔" وہ چند لمحے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر بادلِ نخواستہ اس نے قدم بڑھا دیے۔

"آئیں میرے ساتھ۔" اس لڑکی نے فوراً اس کی پیروی کی تھی مگر اس کے پیچھے پیچھے چلنے کے بجائے وہ اس کے برابر چلنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر چند منٹوں تک اس کوشش میں مصروف رہنے کے بعد بھی جب وہ اس کے تیز قدموں کا مقابلہ نہیں کر پائی تو وہ یک دم رک گئی۔

"پلیز ٹھہر جائیں ناں۔ آپ تو بہت تیز چلتے ہیں۔"

اس کی آواز پر اس کے قدم بے اختیار رک گئے تھے۔ بڑی حیرانی سے اس نے اپنے مخاطب کو دیکھا تھا جو اب اس کے پاس آ گیا تھا۔ ناگواری کی ایک لہر سی اس کے اندر اٹھی تھی مگر اس کے قدموں کی رفتار اب کافی آہستہ ہو گئی تھی۔ وہ لڑکی اب بغیر کسی مشکل کے اس کے برابر چل رہی تھی۔

"یہ فارم کتنے کا آتا ہے؟" یہ پوچھا جانے والا پہلا سوال تھا۔

"پتا نہیں۔" اس نے اسے بغیر دیکھے جواب دیا۔

"یہ فارم ملتا کہاں سے ہے؟" ایک اور سوال پوچھا گیا تھا۔

جواب اب بھی اسی بے نیازی سے دیا گیا تھا۔ "آفس سے۔"

تیسرا سوال بھی بڑے فراٹے سے کیا گیا تھا۔ "آفس کہاں ہے؟"

"ہم وہیں جا رہے ہیں۔" اس نے اب بھی اس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر جواب دیا تھا۔ پھر سوالوں کی ایک بوچھاڑ شروع ہو گئی تھی۔

"آفس کیا زیادہ دور ہے؟"

"پتا نہیں، میں نے کبھی فاصلہ ناپا نہیں۔"

"کہیں اور سے فارم نہیں ملتا؟"

"ملتا ہوگا۔"

"تو وہاں سے کیوں نہ لے لیں؟"

"اگر آپ کو ایسی جگہ کا علم ہے تو ضرور لے لیں۔" اس بار اس کے لہجے میں خفگی نمایاں تھی مگر سوال پوچھنے والی ذرا متاثر نہیں ہوئی۔ سوالوں کا یہ سلسلہ پھر وہیں سے جوڑ دیا گیا تھا۔

"آفس سے فارم مل جائے گا ناں؟"

"اگر ہوگا تو ضرور مل جائے گا۔"

"اور اگر نہ ملا تو؟"

"تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"اگر فارم نہ ملا تو میں ایڈمیشن کے لئے کیسے اپلائی کروں گی؟" اب لہجے میں تشویش شامل ہو چکی تھی۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ اس کے سوالوں سے عاجز آ چکا تھا۔

"جن لوگوں کو فارم نہیں ملتے، وہ کیا کرتے ہیں؟"

"صبر۔" اس مختصر جواب نے کچھ لمحوں کے لئے اس پر خاموشی طاری کر دی تھی۔

"آپ یہاں پڑھتے ہیں؟" کچھ دیر کے بعد سوالات دوبارہ شروع ہو گئے تھے۔

"ہاں۔"

اگلا سوال حماقت سے بھرپور تھا۔ "آپ کو ایڈمیشن مل گیا تھا؟"

"اگر میں یہاں پڑھتا ہوں تو اس کا سیدھا سیدھا مطلب یہی ہے کہ مجھے ایڈمیشن مل گیا تھا۔"

"نہیں۔ میرا مطلب ہے آپ کو ایڈمیشن فارم کے ذریعے ایڈمیشن ملا تھا؟"

"ہاں۔"

اگلا سوال پھر احمقانہ تھا۔ "آپ کو ایڈمیشن فارم مل گیا تھا؟"

اس نے صبر و ضبط کے ریکارڈ توڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

”کہاں سے ملا تھا؟“

”آفس سے۔“

”جہاں ہم جا رہے ہیں وہاں سے؟“

”جی وہیں سے۔“

”مجھے بھی مل جائے گا ناں؟“ اس بار سوال التجائیہ تھا۔

”دعا کریں۔“

اس نے کہا تھا۔ بہت اچانک اسے احساس ہونا شروع ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی احمق نہیں نروس ہے اور جو وہ پوچھنا چاہ رہی ہے، وہ مناسب طریقے سے پوچھ نہیں پا رہی۔ اب وہ شاید دعا میں مصروف ہو چکی تھی کیونکہ باقی راستہ وہ خاموش رہی تھی۔

”وہ آفس ہے اور وہ ونڈو ہے۔ اس لائن میں کھڑی ہو جائیں جس میں پہلے کچھ لڑکیاں کھڑی ہیں۔ وہاں سے آپ کو فارم مل جائے گا۔“

آفس نظر آتے ہی اس نے رکتے ہوئے اس لڑکی کو ہاتھ کے اشارے سے سمجھایا تھا مگر وہ یک دم بدک گئی تھی۔

”میں کیسے لے آؤں۔ اتنے لوگ ہیں وہاں۔ آپ لا کر دیں۔“

وہ اس کی فرمائش نما مطالبے پر حیران رہ گیا تھا۔ ایک نظر اس نے اپنی رسٹ واچ پر دوڑائی کلاس شروع ہونے میں ابھی کچھ وقت تھا۔

”ٹھیک ہے، آپ یہاں رکیں، میں آپ کو فارم لا کر دیتا ہوں۔“

وہ اسے وہیں رکنے کا کہہ کر آفس کی طرف بڑھ گیا اب وہ جلد از جلد اس مفت کی خدمت سے نجات حاصل کر لینا چاہتا تھا۔ کھڑکی پر لگی ہوئی قطاروں میں کھڑا ہونے کی بجائے وہ آفس کے اندر گیا تھا اور اپنے ایک شناسا کلرک سے فارم لے کر چند منٹوں میں باہر آ گیا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا فارم دیکھ کر بے تحاشا خوش ہو گئی تھی۔

”یہ لیں فارم۔“ اس نے بڑی عقیدت سے فارم لیا تھا۔

”یہ کتنے روپے کا ہے؟“ اس لڑکی نے پرس کھولتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”نیور مائنڈ۔“ وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے آئی تھی۔

”پلیز بتائیں ناں۔ کتنے کا ہے؟“

”یہ فارم فری ملتا ہے۔“ اس نے جھوٹ بولا تھا۔

وہ چند روپے اس سے نہیں لینا چاہتا تھا۔ اس نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔ پھر فارم کو فائل میں رکھنے لگی۔ اس نے دوبارہ چلنا شروع کر دیا وہ لڑکی پھر اس کے پیچھے آئی تھی۔ اس بار وہ جھنجلا کر رکا تھا۔

”بس اب میں جا رہی ہوں۔“ وہ اس بار پہلی دفعہ اس کے تیوروں سے گڑبڑائی تھی۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

"یہ فارم فل کر کے آفس میں جمع کروائیں۔" اسے اس کی حماقت پر اب افسوس ہونے لگا تھا۔

"ابھی جمع کرواوں؟" وہ بے تحاشا حیران ہوئی تھی۔

"جی ابھی جمع کروائیں۔ کل آخری تاریخ ہے اور بہت رش ہوگا۔ ڈاکومنٹس ہیں ناں آپ کے پاس۔"

اس نے پہلی بار بڑے تحمل سے اس سے پوچھا تھا اور یہ پوچھنا اسے مہنگا پڑا۔ اس لڑکی نے اپنے ہاتھ میں پکڑی فائل سے کچھ پیپرز نکال کر اسے تھما دیئے۔

"ہاں ڈاکومنٹس تو میرے پاس ہیں۔"

"لیکن میں انھیں کیا کروں؟"

اس نے ہکا بکا ہو کر اس سے پوچھا تھا۔ اس دفعہ فارم بھی اسے تھما دیا گیا تھا۔

"آپ اسے فل کر دیں میں نے کبھی فارم فل نہیں کیا۔ بابا کرتے ہیں ہمیشہ۔ مجھ سے بہت غلطیاں ہوتی ہیں۔"

پہلی بار اس نے اپنے بنائے ہوئے اصول توڑتے ہوئے کسی کی مدد کرنے کی کوشش کی تھی اور پہلی دفعہ ہی یہ مدد اس کے گلے میں کانٹے کی طرح اٹک گئی تھی۔ وہ لڑکی بلا کی کام چور لگ رہی تھی اس وقت اسے ہونٹ بھینچ کر وہ ڈاکومنٹس اور فارم لے کر برآمدے میں بیٹھ گیا اور بے حد سنجیدگی کے ساتھ اسے فل کرنے لگا۔ یہ پہلی دفعہ تھا کہ وہ کسی دوسرے کا فارم اس طرح فل کر رہا تھا اور وہ بھی ایک لڑکی کا۔ باری باری ڈاکومنٹس سے کوائف اتارتے ہوئے وہ ایک ایک ڈاکومنٹ اس کی طرف بڑھاتا گیا بے حد مختصر وقت میں اس نے فارم فل کیا تھا۔ پھر فارم اسے دینے کے بجائے وہ آفس کی طرف خود چلا گیا تھا۔ جو کام اسے بعد میں بھی خود ہی کرنا تھا۔ وہ پہلے ہی کیوں نہ خود کر دیتا۔ آفس سے باہر آتے ہی اس نے اس لڑکی کو منتظر پایا تھا۔

"اب آپ جائیں، فیس کو آکر لسٹ میں اپنا نام دیکھ لیجئے گا۔"

اس بار وہ رکا نہیں۔ بے حد تیز قدموں کے ساتھ وہ اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف آ گیا تھا۔

اس واقعہ کو ایک ہفتہ گزر رہا تھا جب اس روز وہ موحد کے ساتھ کسی کام کے لئے آفس کی طرف گیا تھا۔ وہ آفس سے ابھی کافی دور تھا جب اس نے اسی لڑکی کو آفس سے کچھ فاصلے پر ایک ستون کے پاس کھڑی دیکھا تھا۔ ایک ہی نظر میں وہ اسے پہچان گیا تھا اور اس پہچان کے ساتھ ہی اسے اس دن کی روداد یاد آ گئی تھی۔ وقتاً فوقتاً اس پر نظر دوڑاتے وہ اپنے دوست کے ساتھ باتیں کرتا آفس کی طرف بڑھتا گیا۔ آفس کے اردگرد اس وقت کافی رش تھا ایڈمیشن پانے والے فیس جمع کروانے کے لئے قطاروں میں کھڑے تھے۔ اسی وقت اس لڑکی کی نظر اس پر پڑی تھی اور وہ بہت تیزی سے اس کی طرف آئی تھی۔ اس نے اسے اپنی جانب آتے دیکھ لیا تھا۔

"Oh not again" (وہ اب پھر نہیں) وہ بے اختیار بڑبڑایا تھا۔

"یہ لیں۔ میری فیس، جمع کروا دیں۔"

کمال بے تکلفی سے اس نے پاس آتے ہی اس کی طرف فارم اور روپے بڑھا دیئے تھے۔ موحد اور اس کے درمیان بڑی سنجیدگی سے

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

نظروں کا تبادلہ ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ موحد انکار کرتا اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا تھا جب اس نے کومیل کو بڑی خاموشی سے اس لڑکی سے روپے پکڑتے دیکھا تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ کومیل کے ساتھ آگے بڑھ آیا تھا۔

’’تم اس لڑکی کو جانتے ہو؟‘‘ چند قدم چلنے کے بعد موحد نے اس سے پوچھا تھا۔

’’No‘‘ (نہیں) جواب بالکل مختصر تھا۔

’’محترمہ خاصی احمق ہیں۔‘‘ موحد نے تبصرہ کیا تھا۔

’’اس میں کیا شبہ ہے۔‘‘ اس نے خاصی لاپروائی سے کہا تھا۔

’’بغیر واقفیت کے ہمیں فیس جمع کروانے کا فریضہ سونپ دیا ہے اور اگر ہم ان روپوں کے ساتھ فرار ہو جائیں یا فیس جمع کروا دیں ہیں ناں تو؟‘‘ موحد نے ایک لمحہ کے لئے پیچھے مڑ کر گہری نظروں سے اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

کومیل اس بار خاموش رہا تھا۔ آفس میں فیس جمع کروانے کے بعد جب وہ اس جگہ آئے تھے جہاں اس لڑکی نے روپے انہیں تھمائے تھے تو وہ لڑکی وہاں سے غائب تھی۔ وہ کچھ دیر تک وہاں کھڑے متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھتے رہے مگر وہ کہیں نظر نہیں آئی۔

’’So what next‘‘ موحد نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔

’’اب اس رول نمبر سلپ کو کیا کرنا ہے اور وہ محترمہ تو شاید جا چکی ہیں۔ یہ سوچتے ہوئے کہ ان کا کام ختم ہوا اور میں حیران ہوں کہ اس رول نمبر سلپ کے بغیر یہ کلاس میں اپنا نام اور رول نمبر کیسے رجسٹرڈ کروائیں گی۔ اتنا تو پتا ہونا چاہئے انہیں کہ فیس کی رسید لیتی ہے یا رول نمبر سلپ لیتی ہے اور یہ محترمہ کرنا چاہ رہی ہیں ایم اے انگلش۔‘‘

موحد نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ناگواری سے ایک طویل تبصرہ کیا تھا۔

کومیل اب بھی بغیر کچھ کہے بڑے تحمل سے ادھر ادھر نظر دوڑا رہا تھا۔ آدھ گھنٹہ تک وہ وہیں اس کے انتظار میں کھڑے رہے۔ پھر وہ وہاں سے آ گئے تھے۔

وہ کافی خوشی اور جوش کے عالم میں اندر داخل ہوئی تھی۔ ’’کیوں ثانیہ جمع کروا آئی ہو فیس؟‘‘ خالہ نے اسے دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

’’ہاں خالہ! جمع کروا آئی ہوں۔‘‘ اس نے اپنی چادر اتارتے ہوئے جواب دیا تھا۔

عالیہ اس کے پاس چلی آئی۔ ’’یونیورسٹی جانا کب سے شروع کریں گی آپی؟‘‘ اس نے بڑے اشتیاق سے پوچھا تھا۔

’’تین تاریخ سے۔‘‘ ثانیہ نے مسکراتے ہوئے بڑے فخریہ انداز میں اپنی کزن کو بتایا تھا۔

’’آپ کو ڈر نہیں لگے اتنے لڑکوں کے ساتھ پڑھتے؟‘‘ عالیہ اب اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

’’ڈرنے والی کون سی بات ہے آخر اور لڑکیاں بھی تو پڑھتی ہیں۔‘‘ ثانیہ نے اس سے زیادہ جیسے خود کو تسلی دی تھی۔

’’ہاں، آپ تو ویسے بھی بہت بہادر ہیں اسی لئے تو خالو نے اکیلے لاہور پڑھنے کے لئے بھیج دیا۔‘‘

اس کی کزن پر اس کی "جواں مردی" کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور اس میں ثانیہ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ بات ایسے ہی کرتی تھی جیسے وہ بہت دلیر اور نڈر تھی لیکن یہ گفتگو دوسروں کے لئے کم اور اپنے لئے زیادہ ہوتی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر خود کو ایسی باتوں سے بہلایا کرتی تھی۔ ورنہ وہ جس قدر احمق، کمزور اور حواس باختہ ہو جاتی تھی وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اس میں غلطی اس کی بھی نہیں تھی۔ ساری عمر سرگودھا شہر میں رسوم و رواجوں کی بھاری زنجیروں میں گزارنے کے بعد اب یک دم وہ لاہور کیا آ گئی تھی اسے یوں لگنے لگا تھا جیسے وہ نیویارک پہنچ گئی تھی۔

مراد علی کی پانچ بیٹیاں تھیں اور ثانیہ سب سے بڑی تھی۔ ان کے لئے وہ بیٹی بھی تھی اور بیٹا بھی۔ تعلیم کا انہیں خود بھی بہت شوق رہا تھا مگر باپ کے جلد انتقال کی وجہ سے انہیں بہت جلد اپنی زمینوں کی طرف متوجہ ہونا پڑا، وہ کوئی بہت بڑے زمیندار نہیں تھے کہ جو سارا انتظام نوکروں کے سر پر چھوڑ کر خود آرام سے تعلیم حاصل کرتے رہتے۔ وہ تو بہت چھوٹے زمیندار تھے جنہیں سارے انتظامات خود ہی سنبھالنے اور کرنے پڑتے تھے۔ اس لئے بھاری دل سے انہوں نے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔ ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے اور باپ کے مرنے کے بعد سر پر تین بہنوں کا بوجھ بھی آن پڑا تھا۔ سو جب تک وہ ان کی ذمہ داری سے عہدہ برا ہوئے تب تک وہ کافی عمر کے ہو چکے تھے اور ان کی مالی حالت بھی پہلے جیسی نہیں رہی تھی، سو انہوں نے اپنی اولاد کو تعلیم دلوانے کے خواب دیکھنا شروع کر دیے۔

قسمت یہاں بھی ان پر زیادہ مہربان نہیں رہی۔ بیٹے کی خواہش میں یکے بعد دیگرے پانچ بیٹیاں ان کے آنگن میں آ گئیں تو انہوں نے اللہ کی رضا پر سر تسلیم خم کر دیا۔

"کوئی بات نہیں بیٹیاں ہیں تو کیا ہے میں انہیں ہی پڑھاؤں گا۔"

وہ کئی بار اپنی بیوی سے کہتے۔ ایک ایسا خاندان جہاں لڑکیاں سات پردوں میں رہا کرتی تھیں۔ وہاں مراد علی کے عزائم سب کو احمقانہ نظر آئے مگر وہ اپنے ارادے پر ڈٹے رہے۔ پردے میں رکھتے ہوئے انہوں نے بیٹیوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے کالج بھیجنا شروع کر دیا تھا اور پھر یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوا جب ثانیہ نے گریجویشن کر لی تو مراد علی نے اسے پنجاب یونیورسٹی میں داخلہ دلوانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ لاہور میں ثانیہ کی خالہ کا گھر تھا۔ اس لئے انہیں وہاں اس کی رہائش اس کوئی مسئلہ نظر نہیں آیا۔ مگر جن دنوں پنجاب یونیورسٹی میں ایڈمیشن شروع ہوئے تھے، ان ہی دنوں انہیں کچھ ضروری معاملات کے سلسلے میں راولپنڈی جانا پڑا۔ وہ ثانیہ کو اس کی خالہ کے گھر چھوڑ گئے۔

ثانیہ کی خالہ شاہدرہ میں ایک چھوٹے سے گھر میں رہتی تھیں، ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا، جو سب سے بڑا تھا اور اب باپ کے ساتھ میڈیکل اسٹور سنبھالتا تھا۔ بڑی بیٹی فرسٹ ایئر میں پڑھتی تھی اور چھوٹی میٹرک میں، ثانیہ کی آمد سے سب ہی بہت خوش تھے پھر وہ مرعوب بھی تھے کیونکہ وہ خاندان کی پہلی لڑکی تھی جو اس طرح ایم اے کرنے کے لئے دوسرے شہر میں آئی تھی۔ خالہ نے یونیورسٹی کے بارے میں اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا مگر ثانیہ نے یوں ظاہر کیا تھا جیسے وہ پہلی بار نہیں بار بار یونیورسٹی آتی جاتی رہی تھی۔ یہ ظاہر کرنا اس کی مجبوری تھی، وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی کسی جھجک اور گھبراہٹ کو دیکھ کر وہ یونیورسٹی کو کوئی معیوب جگہ سمجھیں یا اسے تعلیم سے متنفر کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ بہر حال اسے اب دو سال کے لئے انہیں کے ساتھ رہنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایڈمیشن کے لئے اپلائی کرنے کے لئے جانے کے لئے اس نے نہ تو اپنی کسی کزن کو ساتھ لیا تھا اور

نہ ہی احمد سے کوئی مدد مانگی تھی جو اسے صبح اپنے موٹر سائیکل پر یونیورسٹی چھوڑ گیا تھا۔ ثانیہ کو احمد سے زیادہ مدد اس لیے بھی نہیں مل سکتی تھی کیونکہ وہ خود بھی پہلی بار ہی یونیورسٹی کی طرف آیا تھا۔ وہ ایف اے کے بعد ہی تعلیم کو خیر باد کہہ چکا تھا۔

سو اس نے سوچا تھا کہ ایک بار یونیورسٹی پہنچنے کے بعد وہ خود ہی آفس ڈھونڈ کر اپنا کام کر لے گی۔ مگر یونیورسٹی کوئی چھوٹا اسکول یا کالج نہیں تھا۔ وہ وہاں داخل ہوتے ہی جگہ جگہ لڑکوں کے گروپ کھڑے دیکھ کر بے تحاشا گھبرا گئی تھی۔ اسے دور دور تک کسی آفس کا نام و نشان نظر نہیں آیا تھا اور وہ آگے جانے کے بجائے ایک جگہ کھڑی ہو گئی تھی۔ اتنی ہمت اس میں بہرحال نہیں تھی کہ وہ لڑکوں کے کسی گروپ کے پاس جا کر مدد مانگے اور پھر اچانک اسے کومیل نظر آیا تھا، جب وہ بے چینی کے عالم میں پارکنگ کی طرف آئی تھی۔ اسے شکل سے وہ شریف لگا اور اسے یہ بہت بڑی خوش فہمی رہتی تھی کہ وہ بہت اچھی چہرہ شناس ہے۔ سو اسے اس اکیلے لڑکے سے مدد مانگنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوا اور پھر کومیل کے طور طریقے ایسے تھے کہ اسے اس کی شرافت پر اور بھی یقین آتا گیا۔

وہ دوسرے لڑکوں کی طرح اسے دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ اس نے اس پر صرف ایک دو نظریں ڈالی تھیں۔ وہ بھی تب جب وہ اس سے مدد مانگ رہی تھی۔ اس کے بعد جتنی دیر وہ اس کے ساتھ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھے بغیر ہی اس کی باتوں کا جواب دیتا رہا تھا۔ ثانیہ کو اس کے قریب رہ کر بہت تحفظ کا احساس ہوتا رہا تھا۔

چند لمحے پہلے تک لڑکوں کی موجودگی اور نظروں سے پیدا ہونے والا خوف اب اس کے لیے اتنا جان لیوا نہیں تھا۔ گھر آ کر اس نے یوں ظاہر کیا تھا جیسے اس نے کسی کی مدد کے بغیر ہی آفس ڈھونڈ لیا تھا۔ وہ یہ بتانا قطعاً افورڈ نہیں کر سکتی تھی کہ اس نے کسی لڑکے سے مدد لی تھی۔ پھر جس دن لسٹیں لگی تھیں۔ اس دن وہ خود نہیں گئی تھی بلکہ اس نے احمد سے کہا تھا کہ وہ اس کا نام دیکھ آئے، اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنا نام دیکھنے جاتی۔ نام نظر آتا یا نہ آتا، دونوں صورتوں میں اس نے وہاں رونا شروع ہو جانا تھا۔ یہ داخلہ اس کے لیے ایسا ہی نازک اور حساس معاملہ تھا۔

وہ بے تحاشا دعائیں مانگتی رہی تھی اور پھر احمد نے جب گھر آ کر اسے داخلے کے بارے میں بتایا تو وہ فوراً نفل پڑھنے بیٹھ گئی تھی۔

احمد اس کے لیے یونیورسٹی سے فیس فارم بھی لے آیا تھا۔ اب وہ ایک بار پھر یونیورسٹی میں اکیلی فیس جمع کروانے چل پڑی تھی مگر وہاں اس قدر رش تھا کہ اس کی ساری ہمت ہی ٹوٹ گئی تھی۔ لمبی قطاروں میں کھڑے ہونے کے بجائے وہ ایک طرف کھڑی ہو کر تشویش کے عالم میں اسے مجمعے کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ جب رش کچھ کم ہو جائے گا تو وہ بھی کسی قطار میں کھڑی ہو جائے گی مگر یہ بات اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی کہ وقتاً فوقتاً جو لوگ وہاں آ کر قطار میں شامل ہو رہے ہیں وہ قطار کی لمبائی کو مقررہ وقت تک تو کبھی بھی کم نہیں ہونے دیں گے۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ اسی وقت اس نے کومیل کو دیکھ لیا تھا۔ ایک ہی نظر میں وہ اسے پہچان گئی تھی اور بے تحاشا جوش میں وہ تیر کی طرح اس کی طرف گئی تھی۔

بڑے اطمینان سے اسے فارم اور فیس پکڑانے کے بعد وہ اس کے جانے کے کچھ دیر بعد آرام سے واپس گھر آ گئی تھی اس نے یہ سوچنے کی قطعاً زحمت نہیں کی کہ اسے رول نمبر سلپ یا فیس کی رسید لینی چاہیے۔ اس نے سوچا تھا کہ جیسے پہلی دفعہ اس نے بس فارم جمع کروایا تھا اور پھر اسے

جانے کے لئے کہہ دیا تھا۔ آج بھی وہ فارم اور فیس جمع کروا کر ہی کہے گا۔ سو اس نے سوچا کہ فیس تو اب جمع ہو ہی جائے گی، اس لئے اسے وقت ضائع کرنے کے بجائے گھر چلے جانا چاہئے اور بڑے اطمینان سے وہ گھر آ گئی تھی۔

اس دن یونیورسٹی میں کلاسز کا آغاز ہوا تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے یونیورسٹی گئی تھی مگر اس کا یہ اطمینان اس وقت غائب ہو گیا تھا۔ جب پہلی ہی کلاس میں پروفیسر صاحب نے رجسٹر کھول کر رول نمبر پکارنے کی بجائے کلاس سے درخواست کی تھی کہ وہ باری باری اپنی رول نمبر سلپ کے ساتھ ان کے پاس آئیں اور اپنے رول نمبر اور نام لکھوا دیں۔ اس کی ارد گرد بیٹھی ہوئی لڑکیوں نے اپنی رول نمبر سلپس نکال لی تھیں۔ وہ چند لمحے حیرت سے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی سلپ دیکھتی رہی اور پھر اس نے پوچھا تھا۔

"آپ نے یہ رول نمبر سلپ کہاں سے لی ہے؟" اس لڑکی نے اس سوال پر کچھ تعجب سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ آفس سے ملی ہے فیس جمع کروانے کے بعد۔" کچھ توقف کے بعد اس لڑکی نے کہا تھا۔

"مگر مجھے تو یہ نہیں ملی۔"

"کیوں آپ نے یہ آفس سے کیوں نہیں لی؟"

"اصل میں، میں نے خود فیس جمع نہیں کروائی تھی۔ ایک لڑکے نے کروائی تھی۔" ثانیہ نے وضاحت کی تھی۔

"ہاں تو آپ کی سلپ اس لڑکے کے پاس ہو گی۔ آپ اس سے لے لیں۔" اس لڑکی نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے لاپروائی سے کہا تھا۔

"مگر مجھے تو نہیں پتا، وہ لڑکا اس وقت کہاں ہو گا۔" وہ منمنائی تھی......

اس بار لڑکی نے غور سے اسے دیکھا تھا۔

"کیوں، آپ اس لڑکے کو جانتی نہیں ہیں؟" ثانیہ نے بمشکل نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"واٹ! تو آپ نے فیس اسے جمع کروانے کے لئے کیسے دے دی؟" وہ لڑکی حیرانی سے بولی تھی ثانیہ نے بے چارگی سے اسے دیکھا۔

"وہ انگلش ڈیپارٹمنٹ کا ہے؟" اس لڑکی نے پوچھا تھا۔

"پتا نہیں۔" ثانیہ کے حلق سے اب بمشکل آواز نکل رہی تھی۔

"نام پتا ہے آپ کو اس کا؟"

"وہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔" اب اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی دوسری لڑکیاں بھی متوجہ ہو چکی تھیں۔

"آپ کو اس کے بارے میں کچھ بھی پتا نہیں اور پھر بھی آپ نے اسے فیس جمع کروانے کے لئے دے دی۔ پتا نہیں اس نے فیس جمع کروائی بھی ہے یا نہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ اس نے فیس جمع نہیں کروائی ہو گی۔ بہر حال اب آپ کلاس ختم ہونے کے بعد اسے ڈھونڈنے کی کوشش کریں کیونکہ جب تک آپ کے پاس رول نمبر سلپ نہیں ہو گی آپ کا نام کوئی بھی پروفیسر رجسٹر نہیں کرے گا۔ اب تو ویسے بھی فیس جمع کروانے کی آخری

تاریخ بھی گزر چکی ہے اگر اس لڑکے نے فیس جمع نہیں کروائی تو اب تو آپ کا ایڈمیشن بھی نہیں ہوگا۔"

ثانیہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس لڑکی کی باتوں پر پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ اس کا جی راہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکیوں کی نظریں اسے بری طرح چبھ رہی تھیں۔

وہ آنکھوں میں نمی لئے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ کلاس ختم ہونے کے بعد وہ اپنا بیگ اٹھائے باہر آ گئی تھی۔ اپنے ذہن میں اس لڑکے کا چہرہ یاد کرتے ہوئے وہ اسے ڈھونڈنے لگی۔ اسے ڈھونڈتے ہوئے ایک بار پارکنگ میں بھی گئی تھی کہ شاید وہیں وہ اسے مل جاوے مگر وہ تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھا۔ ایک گھنٹہ تک ہر جگہ خوار ہونے کے بعد اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف آنے کے بعد اندر کلاس میں جانے کے بجائے وہ لان کے ایک کونے میں آ کر بیٹھ گئی تھی اور اپنے سر کو بازوؤں میں چھپا کر بے آواز رونے لگی تھی۔

جی بھر کر رونے کے بعد جب وہ پرسکون ہوئی تو اس نے بیگ سے رومال نکال کر اپنی آنکھیں اور چہرہ خشک کرنا شروع کیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ کے پاس جا کر یہ مسئلہ بتائے گی مگر وہ جانتی تھی کہ وہ بھی اس معاملہ میں اس کی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے واقعی بڑی حماقت کی تھی۔ بوجھل قدموں کے ساتھ وہ سر جھکائے ڈپارٹمنٹ کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں اور اچانک سر اٹھاتے پر اس کے پیر جیسے پتھر کے ہو گئے تھے۔ سامنے برآمدے کے ستون کے ساتھ ٹیک لگائے وہی کھڑا تھا۔ وہ اپنے کچھ دوستوں سے باتوں میں کافی مصروف لگ رہا تھا۔ ثانیہ کے قدموں تلے جیسے زمین آ گئی تھی وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس کے پاس گئی تھی۔

"آپ نے مجھے رول نمبر سلپ کیوں نہیں دی؟ آپ کو پتا ہے، اس کے بغیر میرا نام کہیں بھی رجسٹرڈ نہیں ہوگا۔ میں اتنی دیر سے آپ کو ڈھونڈ رہی تھی مگر آپ مجھے کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ میری رول نمبر سلپ کہاں ہے؟"

وہ بے قراری سے بولتی گئی تھی۔ اس کی آمد سے وہاں سکوت چھا گیا تھا۔

"آپ اس دن رول نمبر سلپ لینے کے لئے رکی کہاں تھیں۔ میں نے کافی دیر تک آپ کا انتظار کیا تھا۔ بہرحال اب میں نے وہ سلپ ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ کو دے دی ہے آپ ان سے جا کر لے سکتی ہیں۔"

اس کے خاموش ہوتے ہی کومیل نے کافی بے رخی سے اسے جواب دیا تھا۔

"آپ میرے ساتھ چلیں۔ مجھے نہیں پتا، وہ اس وقت کہاں ہوں گے۔" وہ اب اس کے گم ہو جانے کا رسک کہاں مول لے سکتی تھی۔

"وہ اس وقت آپ لوگوں کی ہی کلاس لے رہے ہیں۔" اس بار کومیل کے بجائے ولید نے کہا تھا مگر وہ وہاں سے ہلنے کو تیار نہیں تھی۔

"نہیں۔ آپ خود میرے ساتھ چل کر مجھے سلپ لے کر دیں۔ میں اکیلے نہیں جاؤں گی۔" اس نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"ویسے بھی مجھے کیا پتا آپ نے سر کو رول نمبر سلپ دی بھی ہے یا نہیں۔ میں یہاں سے جا کر واپس آؤں اور آپ مجھے نہ ملے تو میں آپ کو کہاں سے ڈھونڈوں گی۔"

اس نے احسان فراموشی کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے تھے۔ کومیل کے دوست اس تبصرے پر حیران ہوئے تھے مگر اس کے تو تن بدن میں

آگ لگ گئی تھی۔

"جاؤ یار! خود ہی جا کر انہیں سلپ لا دو۔"

ولید نے کافی ناگواری سے اس سے کہا تھا۔

وہ ہونٹ بھینچتا ہوا وہاں سے چل پڑا تھا۔ پہلی بار اسے اس طرح کی بکی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ثانیہ بھی اس کے ساتھ ہی چل پڑی تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ وہ کہیں پھر غائب نہ ہو جائے۔

"آپ کا نام کیا ہے؟" ثانیہ نے ساتھ چلتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

کومیل کا دل چاہا تھا کہ وہ اسے جھڑک کر منہ بند رکھنے کے لئے کہے مگر اس نے کمال تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا نام بتا دیا تھا۔ مگر ثانیہ بے یقینی کی آخری سیڑھی پر براجمان تھی۔ اپنی طرف سے وہ انتہائی ذہانت کا مظاہرہ کر رہی تھی اسی لیے اس نے کہا۔

"مگر مجھے کیا پتا، یہ آپ کا اصلی نام ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے، آپ صحیح نام بتا نہ رہے ہوں۔"

کومیل کے قدم رک گئے تھے۔ سرخ چہرے کے ساتھ اس نے جینز کی پاکٹ سے والٹ نکال کر کھولا تھا اور اپنا I.D کارڈ اس کے سامنے کر دیا تھا۔

"آپ دیکھ سکتی ہیں کہ میرا نام سید کومیل حیدر ہی ہے اور اپنے ذہن سے یہ خدشات نکال دیں کہ میں کہیں بھاگنے کی تیاری میں ہوں۔ نہ ہی یہ سوچیں کہ میں نے آپ کی فیس جمع نہیں کروائی۔ آپ نے مجھے کوئی دس لاکھ روپیہ نہیں دیا تھا جو میں لے کر فرار ہو جاتا۔ اس لیے اب آپ اپنا منہ برائے مہربانی بند کر لیں۔"

اس نے اپنا والٹ جیب میں رکھتے ہوئے اسے بری طرح جھڑکا تھا۔ وہ قدرے شرمساری دوبارہ اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

"مے آئی کم ان سر!" کومیل نے دروازے میں کھڑے ہو کر سر نسیم سے اندر آنے کی اجازت لی تھی۔ وہ اجازت ملنے پر اس کے پیچھے پیچھے اپنی کلاس میں داخل ہو گئی۔

"سر! وہ فیس کی رسیدیں اور سلپ ان کی ہی تھی۔" کومیل نے سر نسیم کے پاس پہنچ کر کہا تھا۔

"میں نے آپ کا رول نمبر لکھ لیا ہے، یہ آپ لے لیں۔"

سر نسیم نے اس سے یوں کہا تھا جیسے یہ ایک عام سی بات تھی۔

وہ سلپ اور رسیدیں لے کر اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ کومیل واپس دروازے کی طرف جانے لگا تھا۔ جب سر نسیم نے اسے بلا لیا تھا۔

کچھ دیر تک ان دونوں کے درمیان سرگوشیوں میں گفتگو ہوتی رہی پھر وہ باہر چلا گیا تھا۔ ثانیہ شرمندگی کے عالم میں اپنی سیٹ پر بیٹھی رہی۔

"یہ آپ کے کیا لگتے ہیں؟" اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی لڑکی نے عجیب سے اشتیاق کا اظہار کیا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے میری فیس جمع کروائی تھی۔" اس نے مدھم آواز میں جھکے ہوئے سر کے ساتھ جواب دیا تھا۔ دل پر ابھی بھی

ملال کی وہی کیفیت تھی۔

"ان کا نام کومیل حیدر ہے۔ یہ فائنل ییئر کے سب سے قابل اسٹوڈنٹ ہیں۔"

اس لڑکی نے سرگوشی میں اس کا تعارف کروایا تھا۔ وہ خاموشی سے سر ہلا کر رہ گئی۔ اپنی غلطی اب اسے گناہ کبیرہ لگنے لگی تھی۔ بڑی بے دلی سے اس نے باقی کلاسز لی تھیں۔ ذہن اس کا ابھی بھی اس کے ساتھ ہونے والی اپنی گفتگو پر اٹکا ہوا تھا۔

"کتنی مدد کی تھی اس نے۔ کیا تھا اگر میں اتنی بے اعتباری کا مظاہرہ نہ کرتی۔ وہ مل تو گیا تھا پھر کہاں بھاگ جاتا۔ میں نے خوامخواہ میں ہی اسکی بات کر کے اسے ناراض کر دیا۔ وہ بھی مجھے کیا سمجھتا ہوگا۔ سوچتا ہوگا کہ نکی گلے پڑ گئی ہے۔"

سوچوں کا ایک سیلاب تھا جو امڈا چلا آ رہا تھا۔ آخری کلاس لینے کے بعد وہ باہر آ گئی تھی۔ برآمدے میں کافی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ وہ ڈیپارٹمنٹ سے نکلنے والی تھی جب اس نے سیڑھیوں پر کومیل کے گروپ کو بیٹھے دیکھا تھا۔ اس کے دوست سیڑھیوں پر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ وہ آخری سیڑھی پر پیر رکھے ہوئے ان سے گفتگو میں مصروف تھا۔ اسی نے سب سے پہلے سے دیکھا تھا۔ بہت اچٹتی سی نظر ڈالی تھی اس نے۔ لیکن یقیناً اس کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر آیا تھا جو اس کے دوستوں سے پوشیدہ نہیں رہ پایا۔ انہوں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تھا اور پھر اسی برق رفتاری سے گردنیں واپس موڑ لی تھیں مگر ان کے چہرے پر ابھرنے والی ناگواری وہ دیکھ چکی تھی۔

"مجھے آپ سے یک بات کرنی ہے۔" وہ پھر بھی ان کے قریب چلی گئی تھی۔

"جی فرمایئے اب کیا بات کرنی ہے آپ کو؟" کومیل کے تیور خاصے بگڑے ہوئے تھے۔

"مجھے آپ سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔"

"آپ سمجھے میں اکیلا ہوں ور جو کہنا ہے یہیں کہیں۔" کومیل کسی صورت بھی اب اس کے ساتھ جانے کو تیار نہیں تھا۔

وہ چند لمحے اس کے دوستوں کی طرف دیکھتی رہی جو بڑی بے نیازی سے وہیں براجمان تھے۔

"مجھے آپ سے ایکسکیوز کرنی تھی۔ مجھے آپ سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے تھی مگر میں "

کومیل نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔ "دیکھیں بی بی! مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ کی اس معذرت سے۔ آپ نے جو کہا اس سے میری انسلٹ ہوئی ہے۔ میں آپ کی مدد کے لئے آپ کے پاس نہیں گیا تھا۔ آپ آئی تھیں اور یہ آپ کی غلطی تھی کہ آپ رول نمبر سلپ لیے بغیر چلی گئیں اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا ور آپ نے مجھے کوئی اتنا بڑا خزانہ نہیں تھما دیا تھا جو میں لے کر غائب ہو جاتا اور ساری زندگی اس پر عیش کرتا اور آپ کو میں کیا شکل سے فراڈ لگتا ہوں جو آپ ایسے کہہ رہی تھیں کہ میرے ساتھ چلو۔ میں کہاں سے ڈھونڈوں گی گر آپ غائب ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔"

"آپ کے لئے وہ رقم خزانہ نہیں تھی میرے لئے تھی۔ میں گھبرا گئی تھی کیونکہ میرے پاس بس فیس کے لئے وہی روپے تھے۔ گر دوبارہ فیس جمع کروانا پڑتی تو میں کہاں سے کرتی۔ اس لئے میں نے اس طرح Behave کیا۔"

بات ختم کرتے کرتے آنسوؤں کی رفتار میں اضافہ ہو گیا تھا۔ کومیل اور اس کے دوستوں کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے صورتحال کم از کم

ان کے لئے کافی سنگین تھی ارد گرد سے گزرنے والے اسٹوڈنٹس اب کافی غور سے ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے، اور شاید چند لمحوں میں وہ وہاں کھڑے ہونا بھی شروع کر دیتے۔ موحد نے سب سے پہلے ہوش مندی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"ٹھیک ہے جو ہو گیا اب اسے بھول جائیں۔ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہوئی جو آپ یوں رونے لگیں۔ ایسا ہو جاتا ہے۔ اب بس معاملہ کلیئر ہو گیا ہے۔ آپ پلیز یہ رونا بند کر دیں۔"

ثانیہ نے ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھنا شروع کر دیے پھر یک دم اس نے ہاتھ روک کر کومیل سے پوچھا۔

"آپ نے بھی مجھے معاف کر دیا؟"

"Just forget it" (بھول جائیں اسے) معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔" کومیل نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے بمشکل کہا تھا۔

"تھینک یو۔" اب اس کے گرتے آنسو تھم گئے تھے۔ بائیں ہاتھ سے انہیں خشک کرتے ہوئے وہ وہاں سے چلی گئی۔

ولید نے اس کے جاتے ہی سینے پر ہاتھ رکھ کر اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا تھا۔

"آج تو رسوا ہوتے ہوتے بچ گئے۔" اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ کیا چیز ہے یار؟" موحد نے الجھے ہوئے لہجے میں کومیل سے پوچھا۔

"بہر حال کومیل حیدر صاحب! آپ آئندہ اس سوشل ورک پر قابو رکھیے گا۔ یہ خواہ مخواہ کی مصیبتیں اکثر گلے ہی نہیں پڑتیں، رسوا بھی کر دیتی ہیں۔" اشعر نے کومیل کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اسے پھٹکارا تھا۔ کومیل خاموش رہا تھا۔ اس کی خاموشی نے انہیں کچھ حیران کیا تھا مگر پھر موضوع بدل گیا اور بات آئی گئی ہو گئی۔ ان سب کے ذہنوں سے ثانیہ نکل گئی تھی مگر کومیل کے ذہن سے نہیں۔ پہلی بار کوئی لڑکی اس طرح اس کے سامنے روئی تھی۔ گھر جا کر بھی بار بار اس کے ذہن میں وہی آتی رہی۔ بہت عجیب سی فیلنگز محسوس کی تھیں اس نے۔ وہ کوئی بہت حسین و جمیل نہیں تھی مگر پھر بھی خوبصورت تھی۔ سفید رنگت کی مالک تھی، اور ناک نقشہ بھی اچھا تھا لیکن اس کی آنکھیں غضب کی تھیں۔ بچوں کی طرح شفاف، موٹی موٹی سیاہ آنکھیں جو اس کے باقی چہرے کی طرح کسی سنگھار کے بغیر تھیں مگر بے حد دل فریب تھیں۔ لیکن کومیل اس کی خوبصورتی سے نہیں اس کی سادگی سے متاثر ہوا تھا جو غصہ اسے اس پر آیا تھا۔ وہ یونیورسٹی میں اس کے رونے پر ختم ہو گیا تھا بلکہ اسے شرمندگی ہوتی رہی کہ نہ وہ اس سے اس طرح بات کرتا نہ وہ اس طرح روتی۔

کومیل کا گروپ ڈپارٹمنٹ کی کریم سمجھا جاتا تھا اس کے گروپ میں اس سمیت چار لوگ تھے اور وہ چاروں شروع سے ہی اکٹھے تھے۔ بیکن ہاؤس سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انہوں نے گورنمنٹ کالج سے گریجویشن کی تھی اور اب یونیورسٹی میں تھے۔ اشعر، موحد اور کومیل کے خاندان کا تعلق بزنس سے تھا اور وہ ویسے بھی آپس میں جان پہچان رکھتے تھے جبکہ ولید کے والد سول سروسز میں تھے۔

شروع سے کو ایجوکیشن میں پڑھنے کے باوجود ان کے گروپ میں کسی لڑکی کی شمولیت نہیں ہوئی تھی۔ کومیل کے علاوہ باقی تینوں کی کچھ لڑکیوں سے اچھی دوستی تھی مگر ان کا گروپ پھر بھی چار لوگوں تک ہی محدود تھا۔ پڑھائی میں چاروں اچھے تھے۔ اس لئے ہمیشہ ایک مقابلہ سا رہتا تھا ان میں۔ اور اسی مقابلے نے گورنمنٹ کالج اور اب یونیورسٹی میں انہیں کافی ریزرو کر دیا تھا۔ صنف نازک کو تو وہ ویسے ہی لفٹ نہیں کرواتے تھے جبکہ

لڑکوں سے بھی ان کی بس سلام دعا ہی ہوتی تھی ورنہ ان کے گروپ کا خاموش معاہدہ تھا کہ وہ کسی دوسرے کی مدد کے لیے آگے نہیں بڑھتے تھے۔ گر کبھی کسی کو مدد کی ضرورت ہوتی تو باقی تینوں تو پھر مروتاً کسی کا کام کر بھی دیتے تھے مگر کومیل اس معاملے میں بالکل بے لحاظ تھا۔

I keep myself to myself and want others to do the same thing.

(میں اپنے معاملات خود تک محدود رکھتا ہوں اور دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتا ہوں)

کسی اور کو اس اصول پر اعتراض ہو یا نہ ہو بہرحال اس کے دوستوں کو نہیں تھا۔ وہ ایک دوسرے کی Moral Values (اخلاقی قدریں) بدلنے کی کوشش نہیں کرتے تھے نہ ان میں دخل اندازی کرتے تھے اور شاید اسی وجہ سے کومیل کی ان کے ساتھ اچھی نبھتی تھی۔ مگر اب پہلی دفعہ اس نے اپنے اصولوں کو توڑتے ہوئے کسی لڑکی کی مدد کی تھی۔ مدد کا نتیجہ تو خیر جو ہو سو ہو مگر وہ لڑکی کومیل کے دل میں نرم گوشہ بنانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

”سنیں، آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟“ اس شناسا آواز پر وہ ایک گہری سانس لے کر پلٹا تھا۔ وہ پھر اس کے سامنے کھڑی تھی مگر اس بار کومیل کو اس پر غصہ آیا نہ الجھن ہوئی۔

”نہیں ثانیہ! میں بالکل بھی ناراض نہیں ہوں۔ کل مجھے غصہ آیا تھا اور کل ہی ختم ہو گیا۔ اس لیے آپ کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر دوبارہ بھی کبھی آپ کو میری مدد کی ضرورت ہو تو Just come straight to me (تو آپ سیدھی میرے پاس آئیں) مجھے اچھا لگے گا آپ کی مدد کر کے۔“

زندگی میں پہلی بار اس نے کسی کو خود مدد کی آفر کی تھی۔ اگر اس کے کلاس فیلوز سن لیتے تو انہیں اپنے کانوں پر یقین نہ آتا کہ یہ کومیل حیدر ہی ہے۔

ثانیہ کے چہرے پر تشکر آمیز مسکراہٹ لہرائی تھی۔ اس کے سر سے جیسے ایک بوجھ اتر گیا تھا۔ وہ وہاں سے جا چکا تھا اور ثانیہ بے پناہ خوش تھی۔

پہلے دن صرف دو انگلش کی تعارفی کلاسز ہوئی تھیں۔ باقی تین پیریڈز میں کوئی نہیں آیا تھا۔ دوسرے دن ڈرامہ کی کلاس لینے کے لیے جو پروفیسر صاحب آئے تھے، انہوں نے اپنے ظاہری حلیے سے انہیں کافی چونکایا تھا۔ وہ عمر سے کسی طرح بھی پروفیسروں جیسے تجربہ کار نہیں لگ رہے تھے۔ پوری کلاس پوری طرح چوکنا تھی کیونکہ وہ کسی طرح بھی فائنل ییئرز کے ہاتھوں فول بننا نہیں چاہ رہے تھے۔ گاؤن پہنے ہوئے عینک کے ساتھ وہ حضرت بے حد سنجیدہ لگ رہے تھے لیکن کلاس کو یقین ہو چکا تھا کہ یہ فائنل ایئر کا کوئی لڑکا ہے پھر ان کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی کہ کافی اسٹوڈنٹس کچھ شش و پنج میں پڑ گئے تھے۔ وہ صاحب سیدھا روسٹرم کی طرف گئے اور اپنی فائل اس پر رکھ دی پھر بڑی گمبھیر آواز میں اپنا تعارف کروانا شروع کیا۔

”میرا نام علی اکبر رضوی ہے اور میں آپ لوگوں کو ڈرامہ پڑھاؤں گا۔“

اسٹوڈنٹس نے ان دو جملوں کے بعد ایک دوسرے کے چہروں پر نظر دوڑائی تھی پھر ایک لڑکا کھڑا ہو گیا تھا۔

"لیکن پراسپکٹس میں تو انگلش ڈیپارٹمنٹ میں ایسے کوئی پروفیسر نہیں ہیں نہ ہی آپ اتنی زیادہ عمر کے لگتے ہیں۔"

وہ لڑکا کافی ذہین لگتا تھا مگر روسٹرم کے پیچھے موجود صاحب کے چہرے پر کوئی گھبراہٹ نمودار ہوئی تھی نہ ہی پریشانی جھلکی تھی بلکہ ایک مسکراہٹ ان کے چہرے پر آ گئی تھی۔

"مجھے یونیورسٹی جوائن کیے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ دراصل میں کلاسیکل پوئٹری میں ڈاکٹریٹ کے لئے انگلینڈ گیا ہوا تھا اسکالرشپ پر۔ صرف ایک ہفتہ پہلے ہی میں نے دوبارہ یونیورسٹی جوائن کی ہے اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں زیادہ عمر کا نہیں لگتا تو میں تو اسے تعریف سمجھوں گا۔ بہرحال میں تقریباً چھتیس سال کا ہوں۔ اسٹڈیز میں اچھا تھا اس لئے تعلیم مکمل کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ میں جانتا ہوں شاید آپ لوگوں کو یہ شبہ ہو گا کہ میں فائنل ایئر سے ہوں اور آپ کو فول بنانے" آیا ہوں۔ اس کا حل ایک ہی ہے کہ آپ میں سے کوئی ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ کے پاس جا کر میرے بارے میں پوچھ لے بلکہ ایسا کرتے ہیں کہ ابھی آپ لوگ میرے بارے میں تصدیق کر لیں۔"

انہوں نے بہت شائستگی سے ان کے شبہات دور کیے تھے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ اٹھ کر کھڑا ہوتا اور ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ کے پاس جاتا مگر پھر وہی لڑکا جس نے پہلے اعتراض کیا تھا اٹھ کھڑا ہوا۔

"سر پلیز! آپ مائنڈ مت کیجئے گا لیکن بہتر ہے کہ میں پوچھ آؤں۔"

اس نے اس بار کافی مؤدب انداز میں کہا تھا۔ ڈاکٹر علی رضوی کے چہرے پر موجود مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"بالکل آپ ضرور پوچھ کر آئیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

وہ لڑکا کلاس سے باہر گیا تھا لیکن پوری کلاس کو یقین ہو گیا تھا کہ ڈاکٹر علی اکبر رضوی کوئی فراڈ نہیں ہیں۔

"میرا خیال ہے جتنی دیر میں واپس آئیں، میں آپ لوگوں کا نام اور رول نمبر رجسٹر کر لیتا ہوں۔"

انہوں نے اطمینان سے رجسٹر کھولتے ہوئے کہا تھا۔ پھر انہوں نے باری باری سب کے رول نمبر رجسٹر کر لئے۔ اسی دوران وہ لڑکا واپس آ گیا تھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"جی اب آپ کو یقین آ گیا کہ ڈرامہ آپ کو میں ہی پڑھاؤں گا اور میں اسسٹنٹ پروفیسر ہی ہوں؟"

اس لڑکے کے کلاس میں داخل ہونے پر ڈاکٹر علی اکبر رضوی نے کہا۔ وہ لڑکا کچھ جھینپتے ہوئے اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رول نمبر اور نام رجسٹر کرنے کا کام تیزی سے ختم کرتے ہوئے ڈاکٹر علی اکبر رضوی نے رجسٹر بند کر دیا اور کہنا شروع کیا۔

"آپ میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جنہیں ایم اے انگلش کرنا بہت مشکل لگتا ہو گا، خاص طور پر ڈرامہ کے بارے میں آپ نے بہت سے تبصرے سنے ہوں گے کہ یہ مشکل ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔ دلچسپ نہیں۔ خاص طور پر شیکسپیئر ہو سکتا ہے کسی نے آپ سے یہ بھی کہا ہو کہ ڈرامہ میں صرف اللہ ہی پاس کروا سکتا ہے۔" وہ بڑے دوستانہ انداز میں اپنے سبجیکٹ کا تعارف کروا رہے تھے۔

"جب میں نے ایم اے میں داخلہ لیا تھا تو مجھے بھی ایسے ہی تبصرے سننے پڑے تھے۔ ڈرامہ میرے لئے ایک ہوا بن گیا تھا۔ بہرحال

میں نے خود ہی اس کو سمجھنے کی کوشش کی اور پھر ڈرامہ میرے لئے ایک اتنی آسان چیز بن گیا کہ میں نے پی ایچ ڈی اس میں کرنے کے بجائے ایک دوسرے سبجیکٹ میں کی جو مجھے قدرے مشکل لگتا تھا۔“

کلاس بڑی دلچسپی سے ان کی بات سن رہی تھی۔

”میں نے آپ کو بتایا ہے کہ میں ابھی کچھ دن پہلے ہی انگلینڈ سے پی ایچ ڈی کر کے لوٹا ہوں اور واپس آنے کے بعد میں نے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ سے یہ کہا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں کسی سبجیکٹ کو اچھے اور منفرد طریقے سے پڑھاؤں تو پھر آپ مجھے ڈرامہ پڑھانے کے لئے دیں کلاسیکل پوئٹری نہیں۔ انہوں نے میری درخواست مان لی اور مجھے ڈرامہ کی کلاس دی۔ لندن میں اسٹڈیز کے دوران میں ہمیشہ یہ سوچتا رہا تھا کہ کسی سبجیکٹ کو کسی طرح آسان بنا کر اسٹوڈنٹس کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے اور ایسا کیوں ہے کہ ہمارے اسٹوڈنٹس ڈرامہ جیسے سبجیکٹ میں اچھے نمبر نہیں لے پاتے۔ جو بنیادی وجہ میری سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ ٹیچرز آپ لوگوں کو ٹھیک طرح سے گائیڈ نہیں کرتے اگر پراپر گائیڈنس (رہنمائی) ہو تو میرا دعوی ہے کہ ڈرامہ آپ کے لئے سب سے آسان سبجیکٹ بن جائے گا اور میں آپ کو کچھ مختلف طریقے سے سبجیکٹ پڑھاؤں گا۔ اس روایتی اور گھسے پٹے طریقے سے نہیں جو اب تک چلتا آ رہا ہے۔“

ثانیہ سمیت پوری کلاس کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ ان کی شخصیت بھی ان کے حلیے کی طرح الگ اور منفرد نظر آ رہی تھی۔

”آپ لوگوں کے پاس وہی گھسے پٹے نوٹس اور کی بکس ہوتی ہیں جو کئی سالوں سے لوگ استعمال کرتے آ رہے ہیں اور جن کا استعمال اب آپ کو چھوڑ دینا چاہیے۔ کم از کم لٹریچر پڑھتے ہوئے آپ کو رٹے سے ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔ میں آج کا کام کل پر چھوڑنے کا قائل نہیں ہوں آپ کو میرے پڑھانے کے طریقے سے پتا چل جائے گا کہ میں کس قدر Organized ہوں۔ میں آپ کو ہر ٹاپک پر لیکچر دوں گا اور آپ کو کچھ نوٹس بھی دیا کروں گا مگر وہ نوٹس رٹے لگانے کے لئے نہیں ہوں گے بلکہ ان سے آپ کو صرف بنیادی گائیڈنس ملے گی، بعد میں آپ کو خود اسائنمنٹس تیار کرنی ہوں گی۔ چونکہ آج پہلی بار میں نے آپ کی کلاس لی ہے اس لئے میں آپ کو آج ڈرامہ کے بارے میں کچھ تعارفی نوٹس دوں گا کیونکہ زیادہ وقت نہیں ہے اور آپ بہت زیادہ لکھ بھی نہیں سکیں گے۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ ان نوٹس کی فوٹو کاپی کروا لیں یہ نوٹس میں نے باہر انگلینڈ میں کچھ بہت اچھی کتابوں سے تیار کئے ہیں۔ اس لئے میرے لئے یہ بہت قیمتی ہیں میں آپ سب کو یہ باری باری فوٹو سٹیٹ کروانے کے لئے نہیں دے سکتا۔ آپ میں سے کوئی ایک لڑکا یہ نوٹس مجھ سے لے لے اور صفحات گن کر سب سے اتنے روپے لے لے اور اکٹھی فوٹو کاپیز کروا کے آج ہی سب میں تقسیم کر دے۔ کل جب میں کلاس میں آؤں تو سب کے پاس یہ نوٹس ہونے چاہئیں اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان نوٹس کے مین پوائنٹ کیا ہیں۔“

ان کی بات کے اختتام پر اگلی رو میں بیٹھے ہوئے دو لڑکے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ان میں سے ایک نے کہا تھا۔

”سر ہم فوٹو سٹیٹ کروا دیتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ تم سب سے آج ہی روپے جمع کرو اور ایک صفحے پر ان کے نام بھی لکھ لو اور نوٹس ہر صورت میں آج ہی فوٹو اسٹیٹ کروا کر سب میں تقسیم کر دینا۔ اب ذرا دیکھ لو کہ یہ کتنے صفحات ہیں اور کتنے روپے لگیں گے۔“

انہوں نے نوٹس اس لڑکے کی طرف بڑھا دیے تھے۔

"سر سو صفحات ہیں یعنی پچاس روپے لگیں گے۔"

اس لڑکے نے صفحات گننے کے بعد کہا تھا۔ کلاس میں موجود لوگوں نے باری باری اپنے بیگز اور والٹ کھولنے شروع کر دیے تھے۔

"ٹھیک ہے آپ لوگ یہ کام کر لیجئے گا۔ اب کل ملاقات ہوگی۔"

ڈاکٹر علی اکبر رضوی اپنی فائل اٹھا کر باہر نکل گئے تھے۔

"I really like him yaar" (مجھے یہ بہت اچھے لگے ہیں) ثانیہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی ایک لڑکی نے دوسری سے کہا تھا۔

"بالکل اگر اس طرح ٹیچر محنت کروائیں اور گائیڈ کریں تو پھر تعلیم کا معیار کیوں بلند نہیں ہوگا۔" دوسری لڑکی نے بیگ سے روپے نکالتے ہوئے کہا تھا۔

ثانیہ نے بھی اپنے بیگ کو ٹٹولنا شروع کیا وہ جانتی تھی کہ بیگ میں صرف پچاس ہی روپے تھے اور اگر وہ یہ روپے دے دیتی تو پھر وہ گھر کیسے جاتی۔ کچھ دیر تک بیگ کے اندر ہاتھ ڈالے پچاس روپے مٹھی میں لیے وہ شش و پنج میں ان دو لڑکوں کو دیکھتی رہی جو ایک صفحے پر لڑکے اور لڑکیوں کے نام لکھنے کے بعد ان سے روپے لے رہے تھے پھر کچھ مردہ دلی سے اس نے پچاس کا نوٹ بیگ سے نکال ہی لیا تھا۔ شاہدرہ تک پیدل جانے کے خیال سے اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ اس نے بھی لڑکوں کو روپے دیے اور اپنا نام لکھوا دیا۔

تقریباً پوری ہی کلاس نے روپے جمع کروا دیے۔ روپے جمع کرنے کے بعد وہ دونوں لڑکے کلاس سے چلے گئے تھے۔ دس پندرہ منٹ کے بعد سر جاوید کی کلاس شروع ہو گئی تھی۔ ثانیہ ان کے پورے لیکچر کے دوران پریشانی کے عالم میں رہی۔ وہ روز ویگن پر شاہدرہ سے آتی تھی اور ویگن پر شاہدرہ آنے پر بھی آدھ گھنٹے سے زیادہ لگ جاتا تھا اور پھر اس کو رستے کا بھی ٹھیک سے پتا نہیں تھا کیونکہ اس نے کبھی سڑکوں اور موڑوں پر زیادہ غور کرنا شروع نہیں کیا تھا۔ پورے پیریڈ کے دوران وہ متفکر انداز میں ذہن میں رستے کا خیالی نقشہ بناتی رہی اور ہر نقشہ اسے گھر تک پہنچانے میں ناکام رہا تھا۔

سر جاوید کی کلاس آخری کلاس تھی اور جب بیل ہونے پر سر جاوید کلاس سے نکلے تو آہستہ آہستہ سب لوگ اپنی کتابیں، بیگ اور فائلیں اٹھا کر باہر آنا شروع ہو گئے۔ وہ بھی اپنا بیگ اٹھا کر کلاس سے باہر نکل آئی۔

باہر نکلتے ہی سامنے لان میں ایک ہنگامہ اس کا منتظر تھا۔ پوری فائنل ایئر وہاں جمع تھی اور ڈاکٹر علی رضوی اوپر سے کوک کی بوتلیں کھول کھول کر فائنل ایئر کے اسٹوڈنٹس کو تھما رہے تھے۔ بوتلوں کے کریٹس کے ساتھ ان میں لنچ باکسز کا ڈھیر بھی نظر آ رہا تھا۔ قہقہوں اور ہنسی کا ایک طوفان تھا جو وہاں آیا ہوا تھا۔ پریویس کے لڑکے لڑکیاں بے حد سراسیمگی اور کچھ صدمے کے عالم میں برآمدے میں کھڑے تھے۔ وہ چند لڑکیوں کے پاس چلی گئی۔

"یہ فائنل ایئر کوئی پارٹی کر رہی ہے؟" اس نے ان سے پوچھا تھا۔

بے حد ملامت انگیز نظروں سے اسے گھورا گیا تھا۔

"یہ پارٹی نہیں کر رہے۔ ہمیں فول بنایا ہے انہوں نے۔ ہمارے پیسے اڑا رہے ہیں یہ خبیث۔ آپ دیکھ نہیں رہیں۔ اس فراڈیے ڈاکٹر

علی اکبر رضوی کو۔"

اس لڑکی نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔ ثانیہ کا دل ڈوب گیا تھا۔ "تو جو روپے انہوں نے نوٹس کے لئے لیے تھے۔ یہ ان سے یہ سب لکھا رہے ہیں۔" اس کی آواز کسی کھائی سے نکلی تھی۔

"اور کیا کر رہے ہیں؟"

ثانیہ شدید صدمے کے عالم میں لان میں موجود اس مجمع اور ہنگامے کو دیکھتی رہ گئی۔ "مگر وہ سر نسیم نے بھی تو کہا تھا کہ ڈاکٹر علی اکبر رضوی....." اس نے پتا نہیں کس آس میں پوچھا تھا۔

"بھئی پتا نہیں آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آ رہا۔ وہ لڑکا جو پوچھنے گیا تھا اور وہ جو روپے اکٹھے کر رہے تھے۔ وہ بھی فائنل ائیر کے ہی ہیں۔ وہ دیکھیں سامنے لان کے کونے میں۔ انہوں نے باقاعدہ پلان کر کے سارا کام کیا ہے۔"

اس لڑکی نے ہاتھ کے اشارے سے ان کی طرف اسے متوجہ کیا تھا۔ شہدرہ تک کا فاصلہ اسے دوگنا لگنے لگا تھا۔ پریویس کا کوئی اسٹوڈنٹ ایک دوسرے سے نظریں نہیں ملا رہا تھا اور اتفاقاً نظر ملنے پر کھسیانی سی ہنسی ہنسنے لگتا تھا۔ وہ کوریڈور کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر ہونٹ بھینچتے ہوئے آنکھوں میں ہلکی ہلکی نمی لیے سامنے لان کو دیکھنے لگی جہاں قہقہے بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ پریویس کے اسٹوڈنٹس نے آہستہ آہستہ وہاں سے جانا شروع کر دیا تھا۔ مگر وہ وہیں دیوار کے ساتھ لگی رہی۔

پھر پتا نہیں اس کے ذہن میں کیا آیا تھا۔ وہ یکدم لان کی طرف آئی اور فائنل ائیر کی ایک لڑکی سے پوچھا۔

"ایکسکیوزمی۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں اس وقت کومیل حیدر کہاں ہیں؟" وہ لڑکی کوک کا سپ لیتے ہوئے رک گئی۔

"لائبریری میں دیکھیں، وہ وہیں ہوگا۔" اس لڑکی نے کہا تھا۔

وہ تیزی سے لائبریری کی طرف آ گئی۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے ایک کونے میں کومیل کو دیکھ لیا تھا، اس کے دوست آج بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ وہ کچھ نوٹس بنانے میں مصروف تھے۔ وہ بڑی تیزی سے اس کے پاس آئی تھی۔

"ایکسکیوزمی کومیل! مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" وہ اس کی آواز پر چونک اٹھا تھا۔ ولید اور موحد نے بھی سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"آپ بیٹھیں۔" کومیل نے اسے کرسی آفر کی تھی۔

"نہیں، مجھے بیٹھنا نہیں۔ آپ پلیز میرے ساتھ چلیں۔" اس نے تیزی سے کہا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" کومیل نے حیرانی سے سوال کیا تھا۔

"میں آپ کو بتا دوں گی۔ آپ پلیز آئیں تو سہی۔"

وہ التجائیہ انداز میں بولی تھی۔ کومیل نے موحد اور ولید کی طرف دیکھا۔ جن کی نظریں ان دونوں پر مرکوز تھیں پھر بادل نخواستہ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں ایک منٹ میں آتا ہوں۔" اس نے کچھ جھینپتے ہوئے ان سے کہا تھا۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ بڑے بے تاثر انداز میں

دوبارہ کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آئیں۔" اس نے ثانیہ سے کہا تھا۔ وہ اس کے آگے چلنے لگی۔ لائبریری سے باہر آتے ہی اس نے بولنا شروع کر دیا تھا۔

"آپ کی کلاس نے ہمارے ساتھ فراڈ کیا ہے۔" وہ آہستہ آہستہ اسے تفصیل بتانے لگی تھی۔

"پلیز آپ ان سے میرے روپے لے دیں۔ مجھے یہاں سے شاہدرہ جانا ہے اور میرے پاس بس دس روپے تھے۔ میں پیدل کیسے جاؤں گی۔ مجھے تو راستہ بھی ٹھیک پتہ نہیں۔ پلیز اگر سارے نہیں تو ان سے بیس روپے ہی لے دیں۔"

اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی سے کومیل کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ "پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کو جتنے روپے چاہئیں، آپ مجھ سے لے لیں۔"

اس نے اپنا والٹ نکال لیا تھا۔ وہ جیسے کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی تھی۔

"نہیں۔ مجھے آپ سے روپے نہیں چاہئیں۔ میں اس لیے نہیں آئی تھی آپ مجھے ان سے روپے لے کر دیں۔"

وہ والٹ کھولتے کھولتے رک گیا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے کہا۔

"اوکے پھر آپ یہیں ٹھہریں۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" ثانیہ کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔ وہ وہاں سے چلا گیا تھا تقریباً دس منٹ بعد وہ واپس آیا تھا۔

"یہ لیں اور آئندہ کچھ سوچ کر کسی کو روپے دیا کریں۔"

اس نے پچاس کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھایا تھا۔ ثانیہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھر آئی تھی۔

"اس نے اتنی جلدی واپس کر دیے۔" اس نے کومیل کے ہاتھ سے روپے لیتے ہوئے بڑے جوش کے عالم میں کہا تھا۔

"ہاں مگر اب کسی اور کو مت بتانا یہ سب کیونکہ وہ سب کے روپے تو نہیں لوٹائے گا۔"

کومیل جاتے جاتے اسے تاکید کرنے لگا تھا۔

"نہیں میں کسی کو نہیں بتاؤں گی۔" وہ سر ہلاتے ہوئے چلا گیا تھا۔ وہ بھی تیز تیز قدموں سے پوائنٹ کی طرف آ گئی۔

کومیل نے اسے روپے اپنے پاس سے ہی دیئے تھے کیونکہ وہ پچاس روپے واپس لینے کے لئے اسد کے پاس تو نہیں جا سکتا تھا۔ اب اسے خیال آیا تھا کہ اسے پہلے ہی ثانیہ کو اس پلان کے بارے میں بتا دینا چاہیے تھا جو فائنل ایئر نے بنایا تھا۔ اگرچہ وہ اس پلان میں شامل نہیں تھا لیکن اس کو اس پورے پلان کا اچھی طرح پتا تھا۔

اس دن وہ صبح ڈیپارٹمنٹ کی طرف جا ہی رہا تھا کہ وہ شناسا آواز اسے ایک بار پھر سنائی دی تھی۔

"ایکسکیوزمی کومیل! کیا آپ میرا ایک کام کر سکتے ہیں؟" وہ پیچھے مڑا اور کچھ جتانے والے انداز میں اس نے کہا۔ "اسلام علیکم!"

وہ کچھ جھینپ گئی تھی۔ "مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا۔" وہ منمنائی۔

"السلام علیکم!" کومیل نے ایک بار پھر اسی انداز میں سلام دہرایا۔

"وعلیکم السلام!" اس نے اس بار کچھ شرمندگی سے جواب دیا تھا۔

"ہو جائے گا کام۔ کیا کام ہے؟" اس بار کومیل نے پوچھا تھا۔

"مجھے ہاسٹل میں کمرہ نہیں مل رہا۔"

"کمرہ کیوں چاہیے آپ کو۔ آپ تو کسی کے پاس رہتی ہیں ناں؟"

جی رہتی ہوں لیکن شاہدرہ سے روز آنے جانے میں بہت وقت لگ جاتا ہے۔ پھر بعض دفعہ ویگن ہی نہیں ملتی۔ بہت دیر انتظار کرنا پڑتا ہے۔ پھر خالہ کا گھر بھی چھوٹا ہے تو اب مجھے اچھا نہیں لگ رہا وہاں رہتے ہوئے۔ میں نے بابا سے بھی بات کی ہے، وہ بھی کہتے ہیں کہ ہاسٹل ہی صحیح رہے گا مگر ہاسٹل میں سفارش کے بغیر کسی کو جگہ نہیں مل رہی۔" وہ بے تکلفی سے اسے بتاتی گئی تھی۔

"کمرہ مل جائے گا آپ کل ہاسٹل چلی جایئے گا۔" کومیل نے یہ کہہ کر قدم آگے بڑھائے تھے مگر وہ تیزی سے سامنے آ گئی تھی۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں کہ کمرہ مل جائے گا؟" اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔ "آپ کمرہ کیسے لے کر دیں گے؟"

اس نے سوال کیا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرایا۔ پہلے دن کی روداد اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی تھی۔

"جب میں نے کہا ہے کہ لے دوں گا تو بس مان لو کہ لے دوں گا۔ کیوں ورکیسے اس کو چھوڑیں۔"

وہ یہ کہہ کر چلا گیا تھا۔ ثانیہ کو امید نہیں تھی کہ وہ اتنی آسانی سے کمرہ دلوانے کی حامی بھر لے گا۔ اسنے تو بس ایک موہوم سی امید پر ہر طرف سے مایوس ہو کر اس سے بات کی تھی۔ اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اس معاملے میں اس کی مدد کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اگلے دن وہ ہاسٹل گئی تھی اور واقعی اسے ہاسٹل میں جگہ مل گئی تھی۔ اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہی تھی۔

"کومیل! مجھے تو واقعی ہاسٹل میں جگہ مل گئی۔" دوسرے دن وہ موحد کے ساتھ ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیوں میں بیٹھا ہوا تھا جب وہ اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی۔ کومیل نے کن انکھیوں سے موحد کو دیکھا جو بڑی سرد مہری سے اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاسٹل میں کمرہ لینا کوئی بہت مشکل کام بھی نہیں ہے۔" اس نے موحد سے نظریں چراتے ہوئے ثانیہ سے کہا۔

"میرے لئے تو بہت مشکل تھا۔ میری تو کوئی بات ہی نہیں سنتا تھا وہاں۔" وہ بے حد تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"چلیں خیر۔ آپ کا کام تو ہو گیا۔"

"ہاں اور میں آپ کا بہت شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی۔ آپ"

کومیل نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اٹس آل رائٹ۔ شکریہ کی ضرورت نہیں۔" وہ مسکراہٹ چہرے پہ سجائے وہاں سے چلی گئی تھی۔

"میرا خیال ہے اب کلاس میں چلنا چاہیے بیل ہونے والی ہے۔" کومیل نے گھڑی دیکھتے ہوئے موحد سے کہا تھا۔

"تم نے اسے ہاسٹل میں کمرہ لے کر دیا ہے؟" موحد نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے بڑے تیکھے انداز میں سوال کیا تھا۔

"ہاں۔"

"کیوں؟" موحد کا لہجہ اس بار بھی کھردرا تھا۔

"کیوں کیا یار وہ پریشان تھی۔ اسے ہاسٹل میں جگہ نہیں مل پا رہی تھی۔ تمہیں پتا ہے، وہاں سفارش کے بغیر جگہ نہیں ملتی ورنہ میں نے کروا دی۔ ظاہر ہے، وہ بے چاری سرگودھا سے آئی ہے۔ یہاں کون ہے جو اس کی مدد کرے۔"

کومیل نے کافی لاپرواہی سے وضاحت کی تھی۔ اس کا خیال تھا موحد دوبارہ سوال نہیں کرے گا مگر موحد نے کچھ دیر تک بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھنے کے بعد کہا تھا۔

Komail aren't you getting too philanthropic now a days?

(کومیل! تم آج کل کچھ زیادہ ہی ہمدرد نہیں ہوتے جا رہے ہو؟)

وہ موحد کے سوال پر ساکت ہو گیا تھا۔

"What made your think that?"

(اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟)

اس نے کچھ تیز آواز میں اسے کہا تھا۔

"Aren't you getting too far to help her? I mean its not your style."

(تم اس کی کچھ زیادہ ہی مدد نہیں کر رہے ہو، میرا مطلب ہے کہ یہ تمہارا اسٹائل نہیں ہے۔)

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینا نہیں چاہتا اور نہ تمہیں ایسی بات کہنے کا کوئی حق ہے۔" وہ کھردرے لہجے میں کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"دیکھو کومیل" موحد نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر کومیل نے بڑی درشتی سے اس کی بات کاٹی تھی۔ "میں کچھ دیکھنا نہیں چاہتا۔

You just keep your mouth shut.

(تمہیں اپنی زبان بند رکھنا چاہیے)"

موحد حیرانی سے اسے جاتے دیکھتا رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ اتنی معمولی سی بات پر یوں غصے سے اکھڑ گیا تھا۔ وہ کافی دیر تک ہونٹ بھینچے وہیں کھڑا رہا پھر وہ بھی کلاس میں چلا گیا۔

دونوں کے درمیان کون سا رابطہ تھا۔ یہ شاید وہ اور ثانیہ خود بھی نہیں جانتے تھے۔ بس یہ تھا کہ ثانیہ کو جب بھی کسی معاملے میں کوئی مشکل پیش آتی وہ کسی روبوٹ کی طرح اس کے پاس چلی آتی اور کومیل حیدر جو کبھی کسی کی مدد نہیں کرتا تھا وہ کسی معمول کی طرح وہی کرتا جو وہ چاہتی۔

موحد نے اس واقعہ کے بعد دوبارہ کومیل سے ثانیہ کے سلسلے میں بات نہیں کی تھی۔ مگر اسے اب بھی یہ "فلاحِ عامہ" کا کام بے حد ناپسند تھا اور نہ صرف موحد بلکہ اشعر اور روید کو بھی حیرت ہوتی تھی کہ کومیل کیوں اس طرح اس لڑکی کی مدد کر رہا ہے اور سب سے زیادہ حیرت انہیں تب ہوتی تھی

جب ایک دن ثانیہ نے اس کے سامنے کومیل سے پریویس کے اس کے تیار کردہ نوٹس مانگے تھے اور کومیل نے نہ صرف نوٹس دینے کی فوراً ہامی بھری تھی بلکہ دوسرے دن ہی وہ اپنی پوری فائل فوٹو اسٹیٹ کروا کے لیے آیا تھا۔

"تم دیکھ لینا کومیل! کچھ دنوں بعد تمہارے یہ نوٹس پارٹ ون کے ہر دوسرے اسٹوڈنٹ کے پاس ہوں گے کیونکہ جن محترمہ کو تم یہ نوٹس دینے جا رہے ہو، وہ صرف بے وقوف نہیں بلکہ عقل سے بالکل پیدل ہیں۔"

موحد نے اسے سمجھانے کی پہلی اور آخری کوشش کی تھی مگر اس پر اثر نہیں ہوا تھا۔

"نہیں۔ میں اسے سمجھا دوں گا وہ کسی اور کو نہیں دے گی۔"

کومیل نے اس کی نصیحت کو سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا تھا۔ موحد کی پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی تھی۔ چند دنوں کے اندر ہی تقریباً پوری کلاس کے پاس وہ نوٹس تھے۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ کومیل حیدر کے نوٹس یوں سرِ عام آئے تھے۔

"مبارک ہو بھئی، بڑے مقبول ہو رہے ہیں تمہارے نوٹس، پارٹ ون کے اسٹوڈنٹس میں۔"

وہ اس دن موحد کے طنز پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا تھا۔ موڈ اس کا پہلے ہی سے خراب تھا۔ کیونکہ اس نے خود بھی اس دن ایک دو لڑکوں کے ہاتھ میں اپنے نوٹس کی فوٹو کاپیز دیکھی تھیں۔

"تم سے میں نے کہا تھا کہ یہ نوٹس کسی اور کو مت دینا اور تم نے پورے ڈپارٹمنٹ میں انہیں ردّی کی طرح پھیلا دیا ہے۔"

اس دن وہ ثانیہ کو دیکھتے ہی اس پر برس پڑا تھا۔

"میں نے سب لوگوں کو نہیں دیے۔ میں نے صرف اپنی روم میٹ کو دیے تھے۔ باقی لوگوں تک نوٹس کیسے پہنچے مجھے معلوم نہیں۔" وہ خود خاصی شرمندہ تھی۔

"روم میٹ کو بھی کیوں دیے تھے۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ کسی کو بھی مت دینا۔" اس کا غصہ اور بڑھ گیا تھا۔

"اس نے خود مجھ سے مانگے تھے پھر میں انکار کیسے کرتی۔" ثانیہ نے بے بسی سے کہا تھا۔

"ایک بات تو طے ہے کہ میں نے پہلی اور آخری دفعہ تمہیں نوٹس دیے ہیں، اب دوبارہ تم مجھ سے اس سلسلے میں کسی قسم کی مدد کی امید نہ رکھنا۔" اسے ثانیہ کی شکل اور جھکا ہوا سر دیکھ کر مزید غصہ آ رہا تھا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں، میں آئندہ کبھی کسی کو بھی نہیں دوں گی۔" اس نے ملتجیانہ انداز میں کہا تھا۔

"آئندہ میں نوٹس دوں گا، تب ہی کسی کو دو گی نا۔" وہ رکھائی سے کہہ کر چلا گیا تھا۔ لیکن کومیل کا یہ فیصلہ ریت کی لکیر کی طرح ثابت ہوا تھا۔

ایک ہفتے کے بعد ثانیہ کو پھر کچھ نوٹس کی ضرورت آن پڑی تھی اور حسبِ عادت پھر اسی کے پاس آئی تھی اور کومیل اپنے حتمی فیصلے کے باوجود پھر سے نوٹس دینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اس بار ثانیہ نے کچھ احتیاط کی تھی، وہ ان نوٹس کو چھپا کر ہی رکھا تھا۔

"کومیل میرے بابا آئے ہیں۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آئیں، میں آپ کو ان سے ملواؤں۔"

اس دن وہ پھر اپنے دوستوں کے کیفے ٹیریا میں بیٹھا ہوا تھا جب وہ بہت پرجوش سی اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں آئی تھی۔ کومیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ صورتِ حال اس کے لئے کافی آکورڈ تھی۔ لیکن پھر وہ دوستوں کی تیکھی اور چبھتی ہوئی نظروں کی پروا کئے بغیر اس کے ساتھ چلا گیا تھا۔

"لو بھئی، اب ابا جی بھی پہنچ گئے ہیں۔ بس ان ہی کی انٹری رہ گئی تھی۔" اشعر نے اس کے جاتے ہی کہا تھا۔

"کومیل ایسا تو نہیں تھا یار! اسے ہو کیا گیا ہے۔ تمہیں یاد ہے، وہ کس طرح شروع سے لڑکیوں سے بدکتا رہا ہے، اور اب تم ذرا اس کا حال دیکھو۔ ثانیہ کو دیکھتے ہی کیسے اس کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔" ولید کو صحیح معنوں میں اس کی فکر ہونے لگی تھی۔

"بس یار! اب صورتِ حال قابو سے باہر ہوتی جا رہی ہے ہمیں اسے سمجھانا چاہئے، بات کرنی چاہئے اس سے، وہ جو کچھ کر رہا ہے ٹھیک نہیں کر رہا۔"

اشعر نے ان دونوں سے کہا تھا۔

"تمہیں اگر انسلٹ کروانے کا شوق ہے تو ضرور اس سے بات کرو مگر مجھے ایسا کوئی شوق نہیں۔ وہ کوئی بغل کا بچہ نہیں ہے کہ جو کچھ کر رہا ہے، اس کے نتیجے سے واقف ہی نہ ہو لیکن اگر وہ پھر بھی یوں بے پروا ہے تو ٹھیک ہے ہمیں اس کے ذاتی معاملات سے کیا۔"

صوبر نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔ اشعر اور ولید نے ایک دوسرے کو دیکھا اور خاموش ہو گئے۔

"بابا! یہ کومیل ہیں۔" وہ اسے بڑے جوش کے عالم میں ایک ادھیڑ عمر شخص کے پاس لے کر آئی تھی۔ کومیل نے جھینپتے ہوئے اس آدمی سے ہاتھ ملایا۔

"میں آپ کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔ ثانی مجھے بتایا تھا کہ آپ اس کی بہت مدد کرتے رہتے ہیں۔" اس شخص نے انکساری سے کہا۔

کومیل کچھ اور جھینپ گیا۔

"نہیں۔ میں نے ایسی بھی کوئی خاص مدد نہیں کی۔ یہ تو بہت معمولی سے کام تھے، کوئی بھی کر دیتا۔"

"پھر بھی بیٹا! میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ نے "

کومیل نے ثانیہ کے باپ کی بات کاٹ دی۔ "پلیز آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ مجھے اچھا نہیں لگ رہا آپ کا یہ سب کہنا۔"

کومیل نے یہ بات کہہ کر موضوع بدل دیا کچھ دیر وہ ان سے باتیں کرتا رہا، اور پھر اجازت لے کر واپس کیفے ٹیریا آ گیا۔

اس دن وہ یونیورسٹی کے لان میں بیٹھی کچھ نوٹس دیکھنے میں مصروف تھی جب ہیلو کی آواز پر اس نے سر اٹھایا تھا۔ لائٹ بلو جینز میں ملبوس ایک لڑکی چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ لئے اس کے پاس کھڑی تھی۔

"میرا نام رودابہ ہے۔ میں فائنل ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ ہاسٹل میں رہتی ہوں۔"

اس لڑکی نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ ثانیہ نے بھی ہاتھ بڑھا دیا۔

"میرا نام ثانیہ ہے میں پریوس کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ میں بھی ہاسٹل میں رہتی ہوں۔" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے اپنا تعارف کروایا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔ میں نے کئی بار ہاسٹل میں تمہیں دیکھا ہے۔"

رودابہ یہ کہتے ہوئے بے تکلفی سے اس کے پاس گھاس پر بیٹھ گئی۔ ثانیہ کچھ نروس سی ہو گئی۔ اس کی نظریں رودابہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ سفید شرٹ اور بلو جینز میں ملبوس اسٹیپس میں کٹے ہوئے کھلے بالوں کے ساتھ وہ ایک قیامت لگ رہی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ رودابہ کا چہرہ ثانیہ کے لئے نیا تھا وہ پورے ڈپارٹمنٹ میں اپنی خوبصورتی اور دولت کی وجہ سے مشہور تھی اور اس وقت جہاں ثانیہ نروس ہو رہی تھی، وہاں اس کو عجیب قسم کے تفاخر کا بھی احساس ہو رہا تھا۔ رودابہ کچھ دیر تک اس سے اس کے بارے میں پوچھتی رہی اور ساتھ ساتھ اپنے بارے میں بتاتی رہی پھر یک دم اس نے پوچھا۔

"ثانیہ! کومیل سے تمہاری کوئی رشتہ داری ہے؟"

ثانیہ نے بے ساختگی سے جواب دیا۔ "نہیں تو۔"

"تو پھر کیا دوستی ہے؟" رودابہ نے فوراً ہی دوسرا سوال کیا تھا۔

"پتا نہیں۔ اسے دوستی کہتے ہیں یا نہیں۔ بس یہ ہے کہ مجھے کبھی کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں کومیل سے کہہ دیتی ہوں اور وہ میرا کام کر دیتے ہیں۔" ثانیہ نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

رودابہ نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "یار! دوستی اور کس کو کہتے ہیں۔ ویسے ایک بات ہے۔ اس نے کبھی کسی کا کام کیا نہیں۔ اس معاملے میں بلکہ ہر معاملے میں وہ خاصا بے مروت ہے۔" رودابہ نے کچھ عجیب سے انداز میں کہا تھا۔

"نہیں تو، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میں تو جب بھی ان کے پاس جاتی ہوں وہ میرا کام فوراً کر دیتے ہیں۔ اگر آپ بھی جائیں تو آپ کا بھی کر دیں گے۔ وہ تو بہت نائس ہیں۔" ثانیہ نے فوراً اس کی صفائی پیش کی۔

"اچھا چلو، کبھی آزمائیں گے تمہاری بات کو۔"

اس کے چہرے پر نظر جمائے رودابہ نے ٹھہر ٹھہر کر کہا تھا کچھ دیر اس کے پاس رکنے کے بعد وہ چلی گئی تھی وہ رودابہ کے ساتھ اس کی پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ رودابہ اس کے بعد بھی اس کے ساتھ ملتی رہی تھی اور ان کی بے تکلفی بڑھتی گئی تھی کہ رودابہ نے اسے ہاسٹل میں اپنے کمرے میں شفٹ ہونے کی پیش کش کی جو ثانیہ نے اعزاز سمجھ کر قبول کر لی۔

رودابہ کا گھر لاہور ہی میں تھا اور وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ اس کے والد مرچنٹ نیوی سے وابستہ تھے اور اس وجہ سے زیادہ تر ملک سے باہر ہی ہوتے تھے، امی سوشل ورک میں اتنی مصروف رہتی تھیں کہ بہت کم گھر پر ہوتی تھیں۔ رودابہ نے اسی تنہائی سے گھبرا کر ہوسٹل میں کمرہ لے لیا تھا اور ثانیہ کو اس کی تنہائی کا جان کر اس سے اور بھی ہمدردی ہو گئی تھی۔

رودابہ سے اس کی بڑھتی ہوئی دوستی کومیل سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

"ثانیہ! تم آج کل رودابہ کے ساتھ اتنا کیوں رہنے لگی ہو؟" اس دن لائبریری کی طرف جاتے ہوئے کومیل نے اسے روک کر پوچھ لیا تھا۔

”میری اور روادابہ کی دوستی ہو گئی ہے ور میں ہاسٹل میں بھی اس کے کمرے میں شفٹ ہو گئی ہوں۔“ ثانیہ نے فخریہ انداز میں بتایا تھا لیکن کومیل کا ردعمل کوئی زیادہ حوصلہ فزا نہیں تھا۔

”کیوں؟“

”روادابہ نے خود مجھے اپنے کمرے میں شفٹ ہونے کے لئے کہا ہے۔“

وہ کچھ الجھے ہوئے انداز میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

”دیکھو ثانیہ! تمہارا اور روادابہ کا کوئی میچ نہیں ہے۔ تم دونوں کے درمیان کچھ بھی کامن نہیں ہے، روادابہ جیسی لڑکیاں بغیر کسی مقصد کے ایسے ہی دوستی نہیں کرتی ہیں۔ بہتر ہے کہ تم اس سے دور رہو۔“

چند لمحوں بعد کومیل نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن ثانیہ کو اس کی بات بری لگی۔

”وہ میری بیسٹ فرینڈ ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔“ اس نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ اس کا مشورہ قبول نہیں کرے گی۔

کومیل کچھ دیر خفگی سے اسے دیکھتا رہا اور پھر اسی موڈ میں وہاں سے چلا گیا۔ ثانیہ کو اس کی ناراضگی یا خفگی کی قطعاً پروا نہیں تھی بلکہ وہ خود بھی اس سے کھنچ گئی۔ اب جہاں بھی کومیل سے اس کا سامنا ہوتا، وہ پہلے کی طرح اس سے سلام دعا کرنے کے بجائے نظریں جھکائے اس کے پاس سے گزر جاتی۔ کچھ دن تک کومیل بھی اسے نظر انداز کرتا رہا لیکن پھر وہ رہ نہیں سکا۔

”تم ابھی تک ناراض ہو مجھ سے؟“ ایک ہفتے کے بعد اس دن گزرتے گزرتے کومیل نے اس سے پوچھ لیا تھا۔

ثانیہ نے کچھ ندامت محسوس کی۔ ”نہیں۔ میں ناراض تو نہیں ہوں۔“ اس کی ناراضگی فوراً ختم ہو گئی۔

کومیل نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”بہرحال میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں آئندہ تمہیں کوئی مشورہ نہیں دوں گا۔“

”میں نے یہ کب کہا ہے کہ مجھے مشورہ نہ دیں۔ بس روادابہ کے بارے میں کچھ نہ کہیں وہ میری بیسٹ فرینڈ بن چکی ہے۔“ ثانیہ نے کچھ بے چین ہو کر کہا تھا۔ اسے بے اختیار اس کی نوازشات یاد آ گئی تھیں۔

”میں دعا کروں گا کہ تمہاری بہترین دوست تمہاری بدترین دوست ثابت نہ ہو۔ خیر اسٹڈیز کیسی جا رہی ہیں؟“

کومیل نے موضوع بدل دیا، اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اب روادابہ کے بارے میں اس سے کوئی بات نہیں کرے گا۔ مگر اس کا یہ فیصلہ پانی پر لکیر ثابت ہوا۔ تیسرے دن ہی اس نے ثانیہ کو روادابہ کے ساتھ کلاس چھوڑ کر یونیورسٹی سے جاتے دیکھ لیا تھا اور پھر ایسا ایک دن نہیں ہوا تھا۔ ثانیہ، روادابہ اور اس کی دوسری فرینڈز کے ساتھ اکثر کلاسز مس کرنے لگی تھی۔ کچھ دن تو وہ بڑے تحمل سے یہ سب برداشت کرتا رہا لیکن پھر یہ سب اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔

اس دن اس نے ثانیہ کو روادابہ کے ساتھ ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیاں اترتے دیکھا تو اس نے ثانیہ کو روک لیا۔

”ثانیہ! تمہاری ڈرامہ کی کلاس ہونے والی ہے تم کہاں جا رہی ہو؟“

اس نے بغیر کسی لحاظ کے اس سے کہہ دیا تھا۔ ثانیہ کچھ گڑبڑا گئی۔

”وہ میں میں میں کام سے جا رہی ہوں۔“ اس نے بہانہ تراشا تھا۔

”کیا کام ہے؟“ کومیل نے سرد لہجے میں کہا تھا۔ ثانیہ کا باقی ماندہ رنگ بھی فق ہو گیا۔ اس نے بے بسی سے رودابہ کو دیکھا جو عجیب سے انداز میں کومیل پر نظریں مرکوز کیے کھڑی تھی۔

”تمہیں جو کام بھی ہے۔ وہ واپس جانے کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اس طرح کلاس چھوڑ کر جانا اور پھر بار بار ایسا کرنا کوئی مناسب بات نہیں ہے۔ ویسے بھی تم کوئی اتنی ذہین ہو گی نہیں کہ کلاس اٹینڈ کیے بغیر بھی پڑھ سکو اس لیے واپس کلاس میں جاؤ۔“

ثانیہ نے سر جھکائے ہوئے بغیر کسی مداخلت کے اس کی بات سنی تھی۔

”مجھے ایک ضروری کام ہے، اس لیے مجھے اس طرح جانا پڑ رہا ہے۔“ اس بار رودابہ بول اٹھی تھی۔

”تو آپ جائیں۔ میں نے آپ کو تو نہیں روکا۔“ کومیل نے کس درجے کی بے نیازی سے کہا تھا۔

”ثانیہ میرے ساتھ جا رہی ہے۔“ رودابہ کے چہرے کا رنگ کچھ بدل گیا تھا۔

”نہیں۔ ثانیہ آپ کے ساتھ نہیں جا رہی۔ وہ کلاس میں جائے گی۔ ثانیہ! تم کلاس میں جاؤ۔“

کومیل نے ثانیہ سے کچھ سختی سے کہا تھا۔

وہ کچھ خجالت آمیز نظروں سے رودابہ کو دیکھنے لگی جو اس کو گھور رہی تھی۔ اسی وقت بیل ہونے لگی تھی۔ کومیل نے کچھ کہے بغیر ہاتھ کے اشارے سے ثانیہ کو واپس جانے کو کہا تھا اور وہ بے چارگی سے رودابہ سے نظریں چراتے ہوئے واپس برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔ کومیل بھی اس کے پیچھے چلا گیا تھا۔ رودابہ وہیں کھڑی سرخ چہرے کے ساتھ اس کی پشت کو گھورتی رہی۔

کومیل نے اسے صرف وہیں نہیں روکا تھا بلکہ بعد میں بھی خاصی ڈانٹ ڈپٹ کی تھی۔ ثانیہ نے اس سے جھوٹ بولنے کی کوشش کی مگر اس کے پاس پوری معلومات تھیں کہ وہ پچھلے ہفتے میں کس کس دن کون سی کلاسز چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ ثانیہ اس سے کچھ خائف ہو گئی۔ اسے یہ بھی پتا تھا کہ وہ اسے جس بات سے منع کر رہا ہے وہ واقعی غلط ہے اور اس طرح اس کی اسٹڈیز کا بھی حرج ہو رہا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں طے کر لیا تھا کہ وہ آئندہ کلاس چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ اس دن ہاسٹل واپسی پر اسے توقع تھی کہ رودابہ کا موڈ خراب ہوگا اور وہ اس سے ناراض ہو گی مگر خلاف توقع وہ خوشگوار موڈ میں تھی اور اس نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ ثانیہ نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

”ثانیہ! کل شام مجھے کنسرٹ پر جانا ہے۔ تم چلو گی؟“ چند دن گزر جانے کے بعد ایک دن رودابہ نے اس سے کہا تھا۔

ثانیہ بے تابی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ”ہاں ضرور چلوں گی لیکن وارڈن شام کو باہر جانے کی اجازت دیں گی؟“

”وہ میرا مسئلہ ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ تم صرف یہ بتاؤ کہ ساتھ چلو گی یا نہیں؟“ رودابہ نے بالوں میں برش کرتے ہوئے لاپروائی سے کہا تھا۔

"ہاں بھئی، جاؤں گی۔ ضرور جاؤں گی۔ اس میں پوچھنے والی کون سی بات ہے۔"

اس نے پرجوش انداز میں کہا تھا۔ روداب نے دوسرے دن واقعی بڑی آسانی سے وارڈن سے اجازت لے لی تھی۔

"تم اس قدر خوبصورت ہو ثانیہ! کہ اگر اچھی طرح میک اپ کیے رکھو تو پتا نہیں کتنوں کے دل گھائل کرو گی۔"

وہ کپڑے بدل کر آئی تو روداب اس کا میک اپ کرنے لگی۔

اس نے میک اپ کرنے کے بعد ثانیہ کو آئینے کے سامنے کر دیا۔ پہلی نظر میں ثانیہ خود کو پہچان ہی نہیں سکی۔

"روداب! میں تو واقعی بہت اچھی لگ رہی ہوں۔" وہ خود کو سراہے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"اچھی نہیں، کہو، میں پری لگ رہی ہوں پری۔" روداب نے اسے پیار سے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

ثانیہ کچھ جھینپ گئی۔ اس نے تیار ہونے کے بعد حسب معمول اوڑھنے کے لیے چادر اٹھائی مگر روداب چیل کی طرح اس پر جھپٹی۔

"خدا کا خوف کرو ثانیہ! یہ برقع نما چادر پہن کر تم کنسرٹ دیکھنے جاؤ گی۔ تم اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی تماشا بناؤ گی۔ میں نے جینز پہنی ہوئی ہے اور تم یہ دس گز لمبا تھان لپیٹ رہی ہو۔" روداب نے چادر اس سے چھین کر اپنی الماری میں ٹھونس دی۔

"تو پھر میں کیا اوڑھوں؟" وہ کچھ جھینپ گئی تھی۔

"دوپٹہ کافی ہے گلے میں۔ اب ان لمبی لمبی چادروں سے جان چھڑ لو۔ اب تم لاہور میں ہو۔ کسی گاؤں میں نہیں اور نہ ہی تم کہیں قوالی سننے جا رہی ہو۔"

روداب نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا اور پھر ثانیہ نے ویسا ہی کیا تھا جیسا روداب چاہتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ یوں دوپٹہ سینے پر پھیلائے اتنا ڈارک میک اپ کر کے کہیں گئی تھی اور اسے یوں لگ رہا تھا جیسے ہر شخص اسی پر نظریں گاڑے بیٹھا ہو۔

کنسرٹ گیارہ بجے ختم ہوا تھا اور وہ روداب کے ساتھ اوپن ایئر تھیٹر سے باہر نکلی تھی تب ہی روداب کو کوئی نظر آیا۔

"ثانیہ! تم ایک منٹ یہیں ٹھہرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" وہ اسے وہیں کھڑا کر کے غائب ہو گئی۔

ثانیہ پریشان ہو گئی تھی۔ لوگ بڑی تعداد میں اوپن ایئر تھیٹر سے نکل رہے تھے اور لڑکے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے سیٹیاں بجا کر گھٹیا قسم کے ریمارکس دے رہے تھے اور روداب گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھی۔ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے۔

"ثانیہ! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" بہت حیرت سے کسی نے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ وہ اس شناسا آواز پر بے اختیار مڑی تھی۔ وہ کومیل تھا۔ اسے لگا، کسی نے اسے ڈوبتے ڈوبتے بچا لیا ہو۔

"میں روداب کے ساتھ آئی تھی۔ وہ پتا نہیں کہاں چلی گئی ہے؟" اس نے کہا تھا۔

"تمہیں اجازت کیسے دے دی ہے وارڈن نے اتنی دیر باہر رہنے کی۔"

ثانیہ کو اس کے چہرے کے تاثرات بے حد عجیب لگ رہے تھے۔ وہ کچھ بول نہیں سکی۔

''تمہاری چادر کہاں ہے؟'' وہ اس سوال پر زمین میں گڑ گئی تھی۔

''اور اتنا ڈارک میک اپ کیوں کیا ہے تم نے؟ تمہیں پتا ہے یہاں کس طرح کے لڑکے آئے ہوئے ہیں۔''

''ثانیہ کی آنکھیں دھندلا گئیں وہ وہاں سے چل پڑا تھا۔ ثانیہ وہیں کھڑی رہی۔ کومیل نے چند قدم چلنے کے بعد مڑ کر دیکھا اور پھر واپس آیا۔

''اب تم یہاں سا فریز کیوں ہو گئی ہو چلو میرے ساتھ۔'' اس کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔

''رودابہ کا انتظار ''

کومیل نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس کا نام بھی مت لو میرے سامنے۔ میرے ساتھ چلو۔'' وہ یہ کہہ کر پھر چل پڑا تھا۔ ثانیہ نے پیروی کی۔ وہ سیدھا کار پارکنگ میں آیا تھا لیکن گاڑی میں بیٹھنے کے بجائے وہ گاڑی کے پاس کھڑا ہو گیا۔

''تم دوپٹہ لو سر پر۔'' اس نے ترشی سے اس سے کہا تھا۔ اس نے دوپٹہ سر پر اوڑھ لیا تھا۔

''میں موحد کا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ اپنی بہن اور بھابھی کے ساتھ آیا ہوا ہے۔ میں تمہیں ان کے ساتھ بھجواؤں گا کیونکہ یہ تمہارے لئے مناسب نہیں ہوگا کہ تمہیں اکیلا ہاسٹل چھوڑنے جاؤں۔'' اس نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس سے کہا تھا۔

''لیکن ثانیہ! آئندہ اس طرح کبھی بھی کنسرٹ دیکھنے مت آنا۔ تمہیں میوزک کا شوق ہے تو کیسٹ پلیئر پر سنو۔ اتنا کافی ہے تمہارے لئے۔'' اس بار اس کا لہجہ پہلے جتنا سخت نہیں تھا۔

''میرے پاس کیسٹ پلیئر نہیں ہے اور پھر کنسرٹ پر جانے سے کیا ہوتا ہے۔ آپ بھی تو یہاں آئے۔ '' ثانیہ نے کچھ ہمت کر کے اس سے کہنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے یک بار پھر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''تم میرے یہاں آنے کی بات نہ کرو۔ میں جہاں چاہے جا سکتا ہوں۔ میں مرد ہوں، لیکن تم اس طرح رات کو باہر نکلنے کی حماقت دوبارہ مت کرنا۔'' اس کا لہجہ یک بار پھر ترش ہو گیا تھا۔

''مگر رودابہ بھی تو جاتی ہے۔'' وہ پھر منمنائی تھی۔

''رودابہ جائے بھاڑ میں۔ تم رودابہ ہو، نہ رودابہ بننے کی کوشش کرو۔ وہ اس طرح پھرنا افورڈ کر سکتی ہے۔ تم نہیں کر سکتیں۔ ذرا تصور کرو، میری جگہ اگر تمہارے فادر تمہیں یہاں دیکھتے تو ثانیہ! تم یہاں پڑھنے کے لئے آئی ہو صرف وہی کام کرو۔ اس طرح پھرنا تمہارے لئے مناسب نہیں ہے۔''

وہ سختی سے بات کرتے کرتے اچانک نرم ہو گیا تھا۔ وہ کچھ شرمندگی سے اس کی باتیں سنتی رہی، چند منٹوں بعد موحد آ گیا تھا۔ اس نے کچھ حیرانی سے ثانیہ کو دیکھا تھا۔ مگر کومیل نے عام سے انداز میں سے ثانیہ کو ہاسٹل ڈراپ کرنے کے لئے کہا تھا۔

''بھابھی! آپ پلیز ثانیہ کو ہاسٹل کے اندر چھوڑ کر آئیے گا۔ ہو سکتا ہے، وارڈن کچھ ناراض ہو کیونکہ کافی دیر ہو گئی ہے۔''

اس نے موحد کی بھابھی سے درخواست کی تھی جو انہوں نے بصد خوشی مان لی تھی۔

وارڈن واقعی ناراض تھی کیونکہ وہ روداب کے ساتھ گئی تھی ور روداب اس کے آنے سے کچھ دیر پہلے واپس آ چکی تھی۔ سوہد کی بھابھی نے وارڈن سے بہانا بنا دیا تھا کہ انہوں نے زبردستی اسے اپنے پاس بٹھا لیا تھا اور اسی وجہ سے اسے واپس آنے میں دیر ہو گئی۔

"کمال ہے یار، تم کہاں گم ہو گئی تھیں۔ تمہیں پتا ہی نہیں، میں پاگلوں کی طرح تمہیں ڈھونڈتی رہی ہوں۔"

ثانیہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہی روداب نے بلند آواز سے کہا۔ وہ بستر پر بڑے آرام سے نیم دراز تھی۔

ثانیہ نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا مگر کچھ بولی نہیں بلکہ اپنے کپڑے اٹھا کر باتھ روم میں چینج کرنے کے لیے چلی گئی۔ مگر اس کی ناراضگی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی تھی۔ روداب نے ایسے عذر پیش کیے تھے کہ اس کی خفگی دور ہو گئی تھی۔ اسے ویسے بھی لمبی چوڑی ناراضگیاں پالنے کی عادت نہیں تھی۔ یہ کام اسے بہت مشکل لگتا تھا اور پھر روداب سے تو اس کو ویسے بھی بہت محبت تھی۔

اگلے دن وہ پھر صبح روداب کے ساتھ ہی یونیورسٹی گئی تھی۔ خلاف توقع دوسرے پیریڈ کے بعد جب وہ روداب کے ساتھ بیٹھنے کے لئے لان میں آئی تھی تو وہاں روداب کے ساتھ کومیل بھی موجود تھا اور ان دونوں کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہے۔ کومیل کا چہرہ سرخ تھا اور روداب کے ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے۔ اسے آتا دیکھ کر کومیل خاموش ہو گیا اور اس کے قریب آنے سے پہلے ہی چلا گیا۔

وہ کچھ تشویش سے روداب کے پاس آئی تھی اتنا اندازہ تو سے ہو ہی گیا تھا کہ موضوع گفتگو یقیناً وہ ہی ہو گی مگر اس کے قریب آنے پر روداب کے چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے وہ ثانیہ کو دیکھ کر مسکرائی تھی۔ ثانیہ کو کچھ حوصلہ ہوا۔

"کیا کوئی جھگڑا ہو گیا ہے کومیل سے؟" اس نے روداب کے قریب بیٹھتے ہوئے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کیسا جھگڑا؟ ایسے فالتو کاموں کے لیے میرے پاس وقت نہیں۔ وہ تو ویسے ہی بس خیر چھوڑو، کوئی اور بات کرو۔" اس نے کچھ عجیب سے انداز میں بات کا موضوع بدلا تھا۔ دو بجے وہ روداب کے ساتھ ہی ہاسٹل میں واپس آئی تھی ور وہاں ایک سرپرائز اس کا منتظر تھا۔

"یہ جی صبح کوئی دس بجے کے قریب یک صاحب دے گئے تھے آپ کے لئے۔ کومیل حیدر نام تھا اس کا۔"

اس کے ور روداب کے ہاسٹل آنے کے دس پندرہ منٹ بعد ہاسٹل کی ملازماؤں میں سے ایک بڑا سا اسٹیریو اٹھائے ثانیہ کے کمرے میں آئی تھی۔

ثانیہ ہکا بکا رہ گئی۔ اس نے کچھ بے یقینی سے روداب کو دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ بے حد سپاٹ تھا لیکن وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"میرے لئے دے کے گئے ہیں؟" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ملازمہ کے پاس آ گئی۔

"ہاں جی۔ آپ کے لئے ہی دے کر گئے ہیں۔ چٹ پر آپ کا پورا نام لکھ کر دیا تھا انہوں نے وارڈن کو۔" ملازمہ نے اسٹیریو فرش پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے روداب؟ اس نے اسٹیریو کس لیے بھیجا ہے اس کو کہا کس نے ہے؟" ثانیہ نے ملازمہ کے باہر جاتے ہی روداب سے کہا۔

”کچھ نہیں ہو رہا۔ بس اس نے تمہارے لئے گفٹ بھیجا ہے۔ کیوں بھیجا ہے یہ کل اس سے یونیورسٹی میں پوچھ لینا۔“

رودابہ کے لہجے میں کچھ خاص بات تھی جس نے اسے چونکا دیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے رودابہ اسٹیریو کے بارے میں بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔

اس شام رودابہ واقعی چپ چپ رہی۔ ثانیہ خود بھی خاصی نادم تھی۔ اس لئے اس نے رودابہ کو مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اگلے دن یونیورسٹی جاتے ہی اس نے کومیل کو پکڑ لیا تھا۔

”آپ نے میرے لئے ہاسٹل میں اسٹیریو کیوں بھجوایا ہے؟“ وہ واقعی ناراض تھی۔

”صرف اس لئے تاکہ تم رودابہ کے ساتھ کنسرٹس اٹینڈ نہ کرو۔“ بڑی لاپروائی سے کہا گیا تھا۔

”مجھے اسٹیریو کی ضرورت نہیں ہے آپ اسے واپس لے جائیں۔“

”واپس تو خیر میں اس کو قطعاً نہیں لوں گا تم اسے ایک تحفہ سمجھ کر رکھ لو۔“

”لیکن مجھے اسٹیریو کی ضرورت ہی نہیں ہے اگر مجھے میوزک سننا ہوا تو میں رودابہ کے اسٹیریو پر سن لوں گی۔“

”دیکھو میں نے تمہیں، وہ اسٹیریو اس لئے دیا ہے کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں رہی۔ میں نیا اسٹیریو لے رہا ہوں اور پھر پرانا والا میرے لئے بے کار ہو جاتا۔ اس لئے میں نے وہ تمہیں دے دیا۔ تمہیں نہ دیتا تو بھی کوئی اور دوست لے جاتا اور تم تو میری۔“ وہ بڑی روانی سے کچھ کہتے کہتے رک گیا تھا۔

”وہ پرانا اسٹیریو نہیں ہے، نیا اسٹیریو ہے اور رودابہ کہہ رہی تھی کہ وہ خاصا مہنگا ہے۔“ وہ اس کی بات پر غور کیے بغیر بولی تھی۔

”میں ہر سال اسٹیریو بدل لیتا ہوں۔ اس لئے میرا پرانا اسٹیریو بھی نیا ہی لگتا ہے اور وہ اتنا قیمتی نہیں ہے جتنا تم سوچ رہی ہو۔ رودابہ کو چھوڑو اسے عادت ہے ہر چیز کی قیمت بڑھانے کی۔“ وہ اب بھی بڑی بے نیازی سے بات کر رہا تھا۔

”لیکن میں پھر بھی۔۔“

کومیل نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”بس اب اسٹیریو کے بارے میں کچھ مت کہنا۔ تم یہ کرو کہ مجھے قسطوں میں اس کے روپے لوٹا دینا یا جب دو سال بعد ہاسٹل سے جاؤ تو مجھے واپس دے جانا لیکن ابھی اسے اپنے پاس ہی رکھو۔“ کومیل اس کی مزید کوئی بات سنے بغیر چلا گیا تھا۔

”مجھے بتاؤ رودابہ! میں کیا کروں۔ وہ تو اسٹیریو واپس لینے پر تیار نہیں۔“

ہاسٹل واپسی پر وہ ایک بار پھر رودابہ کو کومیل کے ساتھ ہونے والی گفتگو بتا رہی تھی۔

”میں کیا کہہ سکتی ہوں یہ تمہارا اور اس کا مسئلہ ہے؟“ رودابہ نے کچھ سرد مہری سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

”لیکن تم میری دوست ہو۔ مجھے مشورہ تو دے سکتی ہو۔“ وہ اس کے انداز پر کچھ حیران ہوئی تھی۔

”ہاں مشورہ دے سکتی ہوں مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں خیر تم یہ اسٹیریو رکھ لو اگر وہ اتنے ہی اصرار سے دے رہا ہے تو ٹھیک ہے پھر لینے میں کیا

حرج ہے۔"

"لیکن روداب! یہ سب ٹھیک نہیں اور پھر میں۔۔۔"

روداب نے اس کی بات کاٹی تھی۔ "دیکھو میں نے تمہیں مشورہ دیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں، تم اس پر عمل کر سکتی ہو یا نہیں، یہ تمہیں طے کرنا ہے۔ مجھے جو مناسب لگا میں نے تم سے کہہ دیا کیونکہ بقول اس کے اس نے تمہیں یہ اسٹیریو گفٹ کے طور پر دیا ہے اور گفٹ واپس کرنا کوئی اچھی نہیں۔ آگے تمہاری مرضی۔"

روداب نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی مگر ثانیہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ کافی دیر تک اس مسئلے پر سوچتے رہنے کے بعد اس نے بھی یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ اسٹیریو رکھ لے گی مگر یہ فیصلہ اسے کچھ زیادہ مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

"موحد! آپ کو پتا ہے، کومیل یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہے ہیں؟"

وہ چند دنوں سے یونیورسٹی نہیں آ رہا تھا اور ثانیہ کو کچھ تشویش ہوئی تھی تو اس نے موحد سے پوچھ لیا وہ کیفے ٹیریا میں بیٹھا ہوا تھا۔

"اس کے کزن کی شادی ہے۔ وہ اسلام آباد گیا ہوا ہے۔ لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟ کیا پھر کوئی کام آن پڑا ہے یا کسی قسم کی مدد چاہیے؟" ثانیہ کو اس کی بات سے توہین کا احساس ہوا تھا۔

"آپ کو ایسا کیوں لگا کہ مجھے کوئی کام ہے یا مدد کی ضرورت ہے۔ کیا اس کے بغیر میں اس کے بارے میں نہیں پوچھ سکتی؟" اس نے کچھ خفگی سے موحد سے پوچھا تھا۔

"بالکل پوچھ سکتی ہیں لیکن پوچھتی نہیں، اس سے ملنے آپ جب بھی آتی ہیں کسی کام سے ہی آتی ہیں۔ بہرحال وہ تو ابھی چند دن اور اسلام آباد میں ہی رکے گا۔ آپ کو کوئی کام ہے تو مجھ سے کہیں، میں بھی کچھ صاحب حیثیت ہوں۔ اس قدر معمولی بندہ نہیں ہوں جتنا آپ نے کومیل کے مقابلے میں مجھے اور میرے دوستوں کو سمجھا ہے۔"

اس نے ایک شریر مسکراہٹ کے ساتھ ثانیہ سے کہا تھا۔ اشعر اور وحید کے چہرے پر بھی مسکراہٹ لہرا گئی۔ ثانیہ کو بے حد ذلت کا احساس ہوا۔ وہ مکمل خاموشی کے ساتھ وہاں سے چلی آئی۔

مگر وہ موحد کی بات کو بھولی نہیں تھی۔ تین دن بعد کومیل واپس یونیورسٹی آ گیا تھا اور اس کی واپسی والے دن ہی ثانیہ نے روتے ہوئے اسے پورا واقعہ سنا دیا تھا۔ شاید وہ رو نہ پڑتی تو وہ اتنا مشتعل نہ ہوتا جتنا اس کے آنسوؤں سے ہو گیا تھا۔ اسے تسلی اور دلاسہ دینے کے بعد وہ سیدھا اپنے گروپ کے پاس ہی گیا تھا۔

"تم نے ثانیہ سے کیا کہا تھا؟" اس نے جاتے ہی موحد سے پوچھا تھا۔

موحد قدرے حیران ہوا۔ "ثانیہ سے؟" اسے فوری طور پر یاد نہیں آیا۔

"ہاں چند دن پہلے جب میں یہاں نہیں تھا تب؟" کومیل نے اسی سرد لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔ موحد کو یک دم ثانیہ کے ساتھ ہونے

والی وہ گفتگو یاد آ گئی۔ اس نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"کمال ہے یار! کیا اسپیڈ ہے اس کی۔ اس نے تمہیں آتے ہی بتا دیا۔"

اس نے بڑا محظوظ ہوتے ہوئے کہا تھا لیکن اس کے قہقہے نے کومیل کو اور مشتعل کیا تھا۔

"میں نے تمہیں ہنسنے کو نہیں کہا۔ یہ پوچھا ہے کہ تم نے اس سے کیا کہا ہے؟"

"اس نے تمہیں کیا بتایا ہے؟" موحد ابھی بھی اس کے غصے کو انجوائے کر رہا تھا۔

"تم ہوتے کون ہو اس سے اس طرح کی بیہودہ باتیں کرنے والے؟"

یک دم کومیل اپنے لہجے پر قابو نہیں رکھ پایا تھا اور اس نے بلند آواز میں کہا تھا۔ موحد کی مسکراہٹ کو بریک لگ گئے اور اس نے کچھ حیرانی سے ولید اور اشعر کو دیکھا جو خود بھی کومیل کے اس جملے پر حیرت زدہ نظر آ رہے تھے۔

"بے ہودہ باتیں؟ میں نے اس سے کوئی بے ہودہ بات نہیں کی تھی۔"

"تمہیں کیا تکلیف ہے کہ وہ میرے پاس کس لئے آتی ہے؟ تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟"

"کومیل! میں نے اسے صرف مذاق میں ایک بات کہہ دی تھی اور تم۔" موحد نے کچھ سنبھل کر صورت حال کی وضاحت کرنے کی کوشش کی تھی۔

"تم نے اس سے مذاق میں بھی بات کیوں کی تھی؟ اس سے تمہارا رشتہ کیا ہے جو تم مذاق میں ایسی گھٹیا باتیں کرنے لگے۔" کومیل کا پارہ اور ہائی ہو گیا تھا۔

موحد کچھ لاجواب سا ہو گیا۔

"کومیل تم خوامخواہ اتنے سیریس ہو رہے ہو جو کچھ ہوا ہمارے سامنے ہوا اور موحد نے واقعی مذاق کیا تھا۔" اشعر نے صلح صفائی کا آغاز کیا تھا۔

"مجھے تم سے کوئی وضاحت نہیں چاہئے۔ میں جس سے بات کر رہا ہوں، مجھے اسی سے جواب چاہئے۔" کومیل نے اشعر کو جھڑک دیا۔

"میرے خیال میں یہاں بات کرنا مناسب نہیں ہے۔ تم سب میرے گھر چلو۔ وہاں چل کر یہ مسئلہ طے کر لیتے ہیں۔"

ولید کو اچانک احساس ہوا تھا کہ ان کی بلند آوازیں پاس سے گزرنے والوں کو متوجہ کر رہی ہیں۔ کومیل نے اس کی بات پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ مگر اس کے دل میں موحد کے خلاف جو بال آ گیا تھا وہ ولید کے گھر پہنچ کر بھی دور نہیں ہوا تھا۔ اشعر اور ولید نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی اور موحد نے بار بار اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے بعد اس سے معذرت بھی کر لی لیکن اس کا غصہ ختم نہیں ہوا تھا۔ موحد کے معذرت کرنے پر اس نے کہا تھا۔

"میں تمہاری ایکسکیوز صرف اسی وقت قبول کروں گا جب تم ثانیہ سے بھی ایکسکیوز کرو۔" موحد اس کی بات پر بھڑک اٹھا تھا۔

"ثانیہ سے کس لئے ایکسکیوز کروں جب میں نے اسے کچھ کہا ہی نہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر میرے سامنے یہ ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں۔" کومیل نے تلخی سے کہا تھا۔

"تم نے ایک معمولی سی بات کو اتنا بڑا ایشو بنا دیا ہے۔ تمہارے نزدیک وہ لڑکی مجھ سے زیادہ اہم ہو گئی ہے۔ تمہیں اس کی بات پر اعتبار ہے، میری بات پر نہیں؟"

موحد کو بھی اب اس پر غصہ آنے لگا تھا۔

"میں یہاں تمہاری بکواس سننے نہیں آیا ہوں۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر تم نے ثانیہ سے ایکسکیوز نہ کیا تو آج تمہاری اور میری دوستی کا آخری دن ہوگا۔ میں اس کے بعد تم سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔" اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

"میں کسی بھی قیمت پر ثانیہ سے ایکسکیوز نہیں کروں گا، چاہے تم یہ دوستی ختم کر دو یا کچھ اور کرو لیکن میں اس سے ایکسکیوز نہیں کروں گا۔"

موحد پر بھی اب ضد سوار ہو گئی تھی۔ کومیل نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر چلا آیا تھا اور وہ واقعی اپنے قول کا پکا ثابت ہوا تھا۔ اس نے موحد کے ساتھ پچھلی پندرہ سالہ دوستی کو بے حد آسانی سے ختم کر دیا تھا۔ ولید اور اشعر کی کوششیں اور منتیں بھی بے اثر ثابت ہوئیں تھی۔

یونیورسٹی میں بھی جلد ہی سب کو یہ پتہ چل گیا تھا کہ کومیل نے موحد کے ساتھ دوستی ختم کر دی ہے۔ اب موحد، اشعر اور ولید کے ساتھ ہوتا اور کومیل اکیلا ہی رہتا۔

اور پھر جلد ہی ڈیپارٹمنٹ میں یہ خبر پھیل گئی کہ ان دونوں کی دوستی ثانیہ کی وجہ سے ختم ہوئی ہے۔ ثانیہ ان چہ میگوئیوں سے کافی پریشان ہوئی تھی کیونکہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ بات سب کو کیسے پتا چلی ہے کہ کومیل اور موحد کے درمیان جھگڑا ہوا ہے اور وہ بھی اس کی وجہ سے۔

اسے موحد پر شک تھا کہ شاید وہی یہ ساری خبریں دینے والا ہے اور نہ صرف اسے بلکہ کومیل کو بھی موحد پر شک تھا اور اس شک نے اس کی ناراضگی کو اور بڑھا دیا تھا۔

وہ اب پہلے کی طرح ثانیہ سے بات نہ کرتا بلکہ کچھ کھنچا کھنچا رہنے لگا۔ اگر کبھی ثانیہ سے اس کی ملاقات ہوتی بھی تو پہلے کی طرح تفصیلی طور پر بات کرنے کے بجائے وہ صرف سرسری انداز میں اس کا حال چال پوچھ کر چلا جاتا۔

موبائل کی بیپ سنائی دی تھی، اس نے گہری نیند میں فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ دو تین بار ہیلو کہنے کے بعد سے اچانک احساس ہوا تھا کہ اسے فون پر نہیں بلکہ موبائل پر کسی نے کال کیا ہے۔ بیپ ابھی بھی سنائی دے رہی تھی اس نے ریسیور رکھ کر موبائل اٹھا لیا۔ آنکھیں بند کیے ہوئے اس نے بٹن پریس کیا تھا اور ہیلو کہا تھا۔

"ہیلو کومیل !" دو لفظ کہنے کے بعد اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ وہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اس آواز کو پہچان گیا تھا۔ وہ ثانیہ تھی۔ اس کے جسم میں جیسے کرنٹ دوڑ گیا تھا ساری نیند بھک سے اڑ گئی تھی۔

"ہیلو ثانیہ! ہیلو کیا ہوا ہے؟ تم کیوں رو رہی ہو؟" اس نے بے تابی سے پوچھنا شروع کیا تھا مگر وہ روئے جا رہی تھی۔ اس کی بے چینی میں اور اضافہ ہو گیا وہ موبائل ہاتھ میں لیے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے سائیڈ ٹیبل سے رسٹ واچ اٹھائی تھی ریڈیم ڈائل بتا رہا تھا کہ رات کا ایک

بج چکا ہے اس کے اضطراب میں یک بیک اور اضافہ ہو گیا۔

''ثانیہ! دیکھو۔ اس طرح مت روؤ۔ مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے پلیز مجھے بتاؤ تم کیوں رو رہی ہو۔'' اس نے بچوں کی طرح اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

''کومیل! کومیل! مجھے ہاسٹل کا چوکیدار اندر نہیں جانے دے رہا۔''

ثانیہ نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا تھا اور کومیل کا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا۔

''تم کہاں سے بول رہی ہو اور وہ کیوں اندر جانے نہیں دے رہا؟ تم باہر کس لئے آئی تھیں؟'' اس نے پے در پے سوال کیے تھے۔

''میں روداب کے ساتھ کنسرٹ پر گئی تھی۔'' اس نے سسکیوں میں اسے بتایا تھا۔

''تمہیں منع کیا تھا میں نے۔'' وہ یک دم دھاڑا تھا۔ ثانیہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کومیل کو اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''اب روداب کہاں ہے؟'' اس نے خود پر کنٹرول کرتے ہوئے قدرے نرم لہجے میں اس سے پوچھا تھا۔

''وہ مجھے یہاں چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ وارڈن سے اجازت لے کر مجھے ساتھ لے کر جا رہی ہے مگر چوکیدار کہہ رہا تھا کہ وارڈن نے میرے باہر جانے کے بارے میں روداب سے کوئی بات نہیں کی۔ روداب نے ان سے صرف اپنے گھر رہنے کی اجازت لی تھی کیونکہ ویک اینڈ تھا۔ اب میں کیا کروں؟'' وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

''روداب کے گھر کا فون نمبر یا ایڈریس معلوم ہے؟''

''نہیں۔''

''تم اس وقت کہاں سے بات کر رہی ہو؟''

''ہاسٹل سے کچھ فاصلے پر ایک میڈیکل اسٹور ہے وہاں سے، کومیل! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اب میں کیا کروں گی۔''

''ثانیہ! بات سنو، اپنا رونا بند کرو۔ دیکھو، میں دس پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔ تم پریشان نہ ہونا ورنہ ہی اب اس شاپ سے کہیں اور جانا۔ وہیں رہنا اور اس شاپ کیپر سے میری بات کراؤ۔''

اس نے ثانیہ کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔ ثانیہ نے ریسیور شاپ کیپر کو تھما دیا۔ کومیل کچھ دیر اس سے بات کرتا رہا اور اسے ثانیہ کی حفاظت کے بارے میں تاکید کرتا رہا دکان کا نام پوچھنے کے بعد اس نے فون دوبارہ ثانیہ کو دینے کو کہا تھا۔

''دیکھو تم آرام سے اسی دکان پر بیٹھ جاؤ گھبرانے والی کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا میں بس تھوڑی دیر میں آ جاؤں گا۔''

اس نے ثانیہ کو تسلی دے کر موبائل بند کر دیا تھا پھر اس نے اپنے ایک دوست کو فون کیا تھا جس کے والد منسٹری میں تھے۔

''کوئی بات نہیں۔ میں ڈیڈی کو جگا کر بات کرتا ہوں۔ تمہارا کام ہو جائے گا۔''

اس کے دوست نے اس کا مسئلہ سن کر کہا تھا موبائل بند کر کے اس نے بیڈ سے اٹھ کر جلدی سے نائٹ شرٹ پہنی تھی اور کار کی چابی اور

موبائل اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

باہر آنے کے بعد وہ سیدھا اپنے بڑے بھائی کے کمرے کی طرف گیا اور اس نے اپنی بھابھی اور بھائی کو جگایا تھا اور سارا قصہ سنا کر بھابھی کو ساتھ چلنے کے لیے کہا تھا۔ بھابھی اور بھائی کی نظروں میں لہراتا ہوا شک بھی اس وقت اسے ناگوار نہیں لگ رہا تھا۔

چند لمحوں کی ردوکد کے بعد اس کی بھابھی اس کے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئی تھیں مگر وہ زیادہ خوش نظر نہیں آ رہی تھیں۔ مگر اسے اس وقت کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ تیز رفتاری سے گاڑی دوڑاتا ہوا وہ ٹھیک دس منٹ بعد اس میڈیکل اسٹور کے سامنے تھا۔ گاڑی سے نکل کر اس نے چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد وہ دوکان تلاش کر لی تھی جہاں وہ موجود تھی۔ اسے دیکھ کر اس کے بہتے آنسوؤں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ کومیل کو اس پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا لیکن وہ خود پر ضبط کر رہا تھا۔

"اب میں کیا کروں گی کومیل! اب کیا ہوگا؟" اسے دیکھتے ہی اس نے کہا تھا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ میں اپنی بھابھی کو لے کر آیا ہوں۔ تم ان کے ساتھ ہاسٹل چلی جانا اب تک وارڈن کو میرے دوست کے فادر فون کر چکے ہوں گے وہ تمہیں اب اندر آنے سے نہیں روکے گی لیکن تمہیں اب میں نے روداب کے ساتھ دیکھا تو میں تمہیں اور اسے دونوں کو شوٹ کر دوں گا۔ وارڈن سے کہہ کر اپنا کمرہ چینج کر لینا کل تک۔"

اس کے ساتھ گاڑی کی طرف آتے ہوئے وہ اسے ہدایات دیتا آیا۔ گاڑی کے پاس پہنچ کر اس نے اپنی بھابھی سے اس کا تعارف کروایا تھا اور پھر گاڑی میں بٹھا کر ہاسٹل کی طرف لے آیا تھا۔ اس کی بھابھی ثانیہ کو لے کر اندر چلی گئی تھیں۔ لیکن انہیں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

چوکیدار نے بڑے آرام سے گیٹ کھول دیا تھا اور وارڈن نے ثانیہ سے معذرت کی تھی وہ خاصی گھبرائی ہوئی تھیں۔ ثانیہ کو وہاں چھوڑ کر کومیل کی بھابھی واپس چلی گئی تھیں۔ ہاسٹل کے اندر پہنچ کر ثانیہ کی جان میں جان آئی تھی اس وقت اسے روداب سے بے تحاشا نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ کومیل نے کس کس طرح اسے روداب سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے ہر بار اس کی وارننگ سنی ان سنی کر دی تھی۔

"روداب تم نے میرے ساتھ فراڈ کیا۔ مجھے دھوکا دیا۔ آخر تم یہ حقیقت مان کیوں نہیں لیتیں؟"

روداب دو دن بعد ہوسٹل واپس آئی تھی۔ ثانیہ تب تک واپس اپنے پرانے کمرے میں جا چکی تھی۔ وہ صبح آئی تھی۔ تب ثانیہ سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی لیکن یونیورسٹی میں اس نے ثانیہ سے بات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ثانیہ کے چہرے کے تاثرات نے اسے چونکا دیا تھا، وہ اس کی بات سننے پر تیار نہیں تھی پھر واپس ہاسٹل آنے کے بعد ثانیہ خود اس کے کمرے میں گئی تھی اور اس نے اسے اس کے دھوکے کے بارے میں بتایا تھا لیکن روداب بہت عجیب سے انداز میں کہہ رہی تھی کہ وہ وارڈن سے بات کرنا بھول گئی تھی۔

ثانیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کا گلا دبا دیتی۔ اس وقت اس روداب کا خوبصورت چہرہ بہت بھیانک لگ رہا تھا۔

"روداب! میں بے وقوف نہیں ہوں۔ سب کچھ سمجھ سکتی ہوں بلکہ سب کچھ سمجھ چکی ہوں۔ تم مجھے ذلیل کرنا چاہتی ہو، مجھے رسوا کرنا چاہتی ہو۔ یہ تو میں جان چکی ہوں۔ بس یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ تم ایسا کیوں کرنا چاہ رہی ہو؟ میں نے تو تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔

تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا پھر تم کیوں میرے ساتھ اس طرح کر رہی ہو؟ اسٹیریو والی بات بھی تم ہی نے پوری کلاس کو بتا دی تھی اور میں حیران تھی کہ تمہارے، میرے اور کومیل کے علاوہ یہ بات کسی کے علم میں نہیں ہے پھر ڈپارٹمنٹ کو اس کے بارے میں کیسے پتہ چل گیا اور میرا خیال ہے کہ موحد اور کومیل کے درمیان ہونے والے جھگڑے کے بارے میں بھی تم ہی خبریں دیتی رہی ہو۔ آخر تم یہ سب کر کے کیا حاصل کرنا چاہتی ہو؟ میری رسوائی سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟"

"کومیل کے ساتھ اگر میں نے تمہیں بدنام کیا تو تمہیں کیا نقصان ہوا۔ تمہیں تو فائدہ ہی ہوا نا پھر تمہیں کیا پریشانی ہے؟"

ثانیہ نے حیران ہو کر اس کا چہرہ دیکھا تھا جس پر بے حد عجیب سے تاثرات تھے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ مجھے کیا فائدہ ہوا؟" اس نے پوچھا تھا۔

"بس بس۔ اب زیادہ معصوم نہ بنو۔ تم جانتی ہو تمہیں کیا فائدہ ہوا۔ اب میرے منہ سے کیا سننا چاہتی ہو؟"

روداب کا لہجہ زہریلا تھا۔ اس کے لئے یہ انداز بالکل نیا تھا۔ وہ چونک سی اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"نہیں تم بتاؤ۔ کیا فائدہ ہوا، اب اپنی بات تو مکمل کرو۔"

"کومیل نے کل تمہاری وجہ سے اپنی منگنی توڑ دی ہے؟"

وہ روداب کے جملے پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔ وہ قطعاً بے خبر تھی کہ کومیل کی منگنی ہو چکی ہے۔ اور اب یہ اطلاع بھی اس کے لئے بالکل نئی تھی کہ اس نے منگنی توڑ دی ہے۔

"میری وجہ سے؟ تم نے کہا میری وجہ سے؟" اس نے کھوکھلی آواز میں اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"ہاں تمہاری وجہ سے ثانیہ مراد! تمہاری وجہ سے۔ سب۔ بہت جلد وہ تمہیں پرپوز کرے گا۔ آئے گا اور کہے گا مس ثانیہ مراد! کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟ کیا آپ میری خزاں جیسی زندگی میں بہار بن کر آنا پسند کریں گی؟" روداب نے تمسخر آمیز انداز میں کہا تھا۔

ثانیہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ "روداب ایسی باتیں مت کرو۔ اس طرح مت کرو۔" اس نے بے بسی سے کہا تھا۔

"بلکہ ہو سکتا ہے وہ بہت پہلے ہی تمہیں پرپوز کر چکا ہو اور آج کل تم دونوں شادی کی پلاننگ کر رہے ہو۔ ہو سکتا ہے نا؟" روداب نے اپنی بات جاری رکھی وہ چلا اٹھی۔

"تم غلط سوچ رہی ہو۔ ہم دونوں کے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں ہے ایسا کوئی تعلق نہیں ہے۔؟"

"تو پھر آپ بتانا پسند کریں گی کہ آپ دونوں کے درمیان کیا تعلق ہے؟ کیا رشتہ ہے؟" اسے روداب کی آنکھوں سے خوف آنے لگا تھا۔

"کوئی رشتہ نہیں ہے۔" اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"کوئی رشتہ نہیں ہے پھر بھی وہ تمہیں برانڈ نیو اسٹیریو لا کر دے دیتا ہے۔ کوئی رشتہ نہیں ہے پھر بھی وہ تمہیں اس ہاسٹل میں کمرہ لے کر دیتا ہے۔ وہ جو کسی کو اپنی کتاب کو ہاتھ تک لگانے نہیں دیتا۔ تمہیں اپنے پورے نوٹس خود ہی فوٹو اسٹیٹ کروا کر دے دیتا ہے۔ کوئی رشتہ نہیں ہے پھر بھی

تمہاری وجہ سے وہ اپنے بچپن کے دوستوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ کوئی رشتہ نہیں ہے پھر بھی وہ تمہاری وجہ سے مجھ سے جھگڑتا ہے۔ اس پوری یونیورسٹی میں وہ اگر کسی لڑکی سے بات کرتا ہے تو وہ تم ہو مگر کسی کی بات سنتا ہے تو وہ تم ہو۔ اگر کسی کا کام کرتا ہے تو وہ تم ہو۔ کوئی رشتہ نہیں ہے، اور وہ تمہارے لئے اپنی منگنی توڑ دیتا ہے۔ تم جانتی ہو ثانیہ مراد! جب وہ تمہیں دیکھتا ہے تو اس کی آنکھیں کس طرح چمک اٹھتی ہیں تم نہیں جانتیں مگر میں جانتی ہوں۔ میں نے دیکھا ہے اور یہ چمک مجھے اندھا کر دیتی ہے۔ میں پچھلے چھ سال سے اس ایک شخص کے پیچھے کس طرح خوار ہو رہی ہوں یہ کوئی نہیں جانتا۔ آج تمہیں بتا رہی ہوں۔"

"روداب!" سب کچھ جیسے کسی بھنور میں آ گیا تھا۔ وہ روداب کا چہرہ دیکھ رہی تھی جس پر آنسوؤں کی نمی نظر آ رہی تھی۔ اس نے پہلی بار اسے روتے ہوئے دیکھا تھا۔

"کون سا ایسا مرد ہے، جس کی توجہ میں حاصل کرنا چاہوں اور نہ کر پاؤں، جس سے میں بات کروں، اور وہ چپ رہے، جسے میں دیکھوں اور وہ نظر پھیر لے، جس کے راستے میں میں کھڑی رہوں اور وہ پھر بھی گزر جائے، اور وہ وہ کومیل حیدر یہی کرتا ہے۔ اسے میں نظر ہی نہیں آتی۔ مجھے اس کے قرب کی خواہش نہیں ہے۔ میں اس سے شادی بھی نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے اس کی محبت بھی نہیں چاہئے۔ میں تو صرف وہ نظر چاہتی ہوں جس سے وہ تمہیں دیکھتا ہے۔ صرف ایک بار۔ اس کے لہجے میں وہ نرمی چاہتی ہوں جو تم سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ اس کی آواز میں ہوتی ہے۔"

وہ بلک رہی تھی۔ ثانیہ کسی پتھر کے بت کی طرح دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"صرف ایک بار۔ وہ میری فرمائش پر بھی کوئی چیز اس طرح دے دے جس طرح وہ تمہیں دیتا ہے، صرف ایک دفعہ میری بات اس طرح سن لے جس طرح وہ تمہیں ہمیشہ سنتا ہے، صرف ایک بار مجھے اس طرح کسی بات پر روکے جس طرح وہ تمہیں روکتا ہے۔ ثانیہ! وہ اگر مجھے خنجر دے اور کہے کہ اس سے اپنی گردن کاٹ لو تو میں ایک لمحے کی دیر نہ کروں۔"

وہ اب فرش پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے سر تھامے زاروقطار رو رہی تھی۔ ثانیہ خالی الذہنی کے عالم میں بلیک جینز اور وائٹ سوئٹر میں ملبوس بیسویں صدی کی اس "سوہنی" کو دیکھ رہی تھی!

"میری خوبصورتی، میرے باپ کی ساری دولت، میری ساری محبت، سارا عشق مجھے ایک شخص صرف ایک شخص کومیل حیدر نہیں دلوا سکتے۔ میں نے تم سے دوستی صرف یہ دیکھنے کے لئے کی تھی کہ آخر تم میں وہ کون سی چیز ہے جو مجھ میں نہیں، جو کومیل کو تمہاری طرف راغب کر رہی ہے مگر تم میں تو مجھے کچھ بھی نہیں آیا۔ تم عام تھیں۔ تم تو بہت ہی عام تھیں۔ میں نے سوچا تمہیں اپنے جیسا کر دوں تو شاید اس کی توجہ تم پر سے ہٹ جائے۔ شاید تم اس کے دل سے اتر جاؤ مگر کوئی فائدہ نہیں، تمہیں پتا ہے، اس کی منگنی میری کزن سے ہوئی تھی۔ وہ اس سے محبت کرتا تھا مگر تمہاری وجہ سے اس نے ماریہ کو چھوڑ دیا۔ مجھے خوش ہونا چاہئے کہ اس نے ماریہ کو چھوڑ دیا مگر میں خوش نہیں ہوں کیونکہ مجھے لگتا ہے اسے ماریہ سے محبت نہیں تھی۔ وہ صرف پسندیدگی تھی۔ عشق تو اسے تم سے ہے اور میں چاہتی ہوں ثانیہ! تم اسے نہ ملو تاکہ اسے پتا چلے کہ جو محبت کرتے ہیں اور پھر خالی ہاتھ رہتے ہیں۔ ان کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ وہ کس طرح تڑپتے ہیں۔ مجھے تم سے نفرت نہیں ہے مگر پھر بھی ثانیہ! پھر بھی میرا دل چاہتا ہے میں تمہیں مار دوں۔ میں کچھ

ایسا کر دوں کہ وہ تم سے نفرت کرنے لگے جیسے وہ مجھ سے کرتا ہے پھر چاہے وہ ماریہ سے شادی کرے چاہے کسی اور سے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ بس ...... بس تم سے شادی نہ کرے۔"

"رودابہ! مجھے اس سے محبت نہیں ہے۔ مجھے اس سے شادی بھی نہیں کرنی ہے۔ مجھے کچھ پتا نہیں وہ میرے لئے اپنے دل میں کیا سوچتا ہے مگر میں اس کے لئے کچھ نہیں سوچتی ہوں میری منگنی ہو چکی ہے۔ میں نے تو کبھی کومیل حیدر "

وہ اپنی بات مکمل کئے بغیر منہ پر ہاتھ رکھ کر کمرے سے نکل گئی۔ "ہر مرد باہر سے کتنا ہی کلچرڈ، مہذب نظر کیوں نہ آئے اندر سے بے حد بھیانک اور مکروہ ہوتا ہے۔ اتنا بھیانک اور مکروہ کہ اس پر تھوکنے کو دل چاہتا ہے۔" چند دن پہلے ہی تو اس نے کہیں پڑھا تھا، اور تب اس نے صفحہ پلٹ دیا تھا یہ کہہ کر۔

"اوہ یہ فی میل شاونزم۔" اپنے کمرے کی طرف آتے ہوئے اس کا دل چاہ رہا تھا وہ بھی رودابہ کی طرح بلند آواز سے روئے۔ اسے ہمیشہ یہ گمان رہتا تھا کہ وہ لوگوں کو بڑی آسانی سے پرکھ سکتی ہے اور یہ واقعی گمان ثابت ہوا تھا وہ سید کومیل حیدر کو نہیں جان پائی تھی۔

"آخر میں نے کیوں نہیں سوچا کہ وہ مجھے اتنی ایکسٹرا آرڈنری (غیر معمولی) توجہ کیوں دے رہا ہے۔ کیوں اس طرح چیزیں تھما دیتا ہے۔ کیوں اتنی پرواہ کرتا ہے جب رودابہ یہ سب سوچ سکتی تھی تو میں نے کیوں نہیں سوچا کسی رشتے کے بغیر وہ اس طرح کیوں کرتا رہا۔ میں نے تب بھی نہیں سوچا۔ جب میرے اور اس کے حوالے سے چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ میں، اتنی بے وقوف تو کبھی بھی نہیں تھی پھر آخر کیوں میں؟"

اس کا دماغ گزشتہ مہینوں کی فلم چلا رہا تھا۔ دھندلے آئینے صاف ہوتے جا رہے تھے۔

"تم میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔ چلے جاؤ، میں تمہاری شکل دیکھنا نہیں چاہتی۔"

دوسرے دن اس نے فون کر کے کومیل کو ہاسٹل بلوایا تھا، اسے وزیٹنگ روم میں بٹھا کر وہ اپنے کمرے میں آئی تھی، اور وہ ساری چیزیں اٹھا کر لے کر آئی تھی جو وہ وقتاً فوقتاً اسے دیتا رہا تھا۔ اس نے وہ ساری چیزیں لا کر وزیٹنگ روم میں اس کے سامنے پھینک دی تھیں۔ وہ ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"ثانیہ! کیا ہوا ہے تمہیں؟"

"میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ تمہاری اصلیت میرے سامنے آ گئی ہے اور تم نہیں جانتے، اس وقت تم مجھے کتنے برے لگ رہے ہو۔ اب تم بس یہاں سے چلے جاؤ۔ میں دوبارہ کبھی تم سے ملنا نہیں چاہتی۔"

"میں نے کیا کیا ہے؟ تم کو ہوا کیا ہے؟"

"میرا دماغ خراب تھا، اب ٹھیک ہو گیا ہے۔ تم نہیں جانتے۔ مجھے تمہاری وجہ سے دنیا کتنی بری لگنے لگی ہے۔"

"ثانیہ! تمہیں میرے بارے میں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میں "

ثانیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"غلط فہمی تو مجھے ہو گئی تھی۔ اب تو ہر غلط فہمی دور ہو گئی ہے۔ تم میرے ساتھ فلرٹ کرنا چاہتے تھے تم نے مجھے "

"ثانیہ! تم پاگل ہو۔" وہ چلا اٹھا تھا۔ "تم سے کس نے یہ بکواس کی ہے؟ روابہ نے؟ ہے نا روابہ؟"

"نہیں ماریہ نے۔ جانتے ہو نا اسے؟ تمہاری منگیتر تھی وہ اور تم نے اس سے اپنی منگنی میری وجہ سے توڑ دی۔ تم "

کومیل بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ "ماریہ تمہارے پاس آئی تھی؟"

"ہاں۔" اس نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولا۔ کومیل کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا لیکن وہ بڑی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"میں تمہیں کیا سمجھتی رہی اور تم کیا ہو اور تم نے مجھے کیا سمجھا۔ کس طرح مجھے "

"ثانیہ! تم چپ ہو جاؤ جو تم سوچ رہی ہو۔ وہ غلط ہے۔ میں تم سے فلرٹ کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں... "

ثانیہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ "ٹھیک ہے میں غلط ہوں تو پھر تم بتاؤ۔ میرے ساتھ تمہارا کیا رشتہ ہے؟ کس لئے یہ ساری عنایات، ساری نوازشات مجھ پر کرتے ہو۔ کیوں تم نے مجھے ؟"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر رونے لگی۔ کومیل نے چند لمحے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن پھر وہ کچھ کہے بغیر تیزی سے وزیٹنگ روم سے نکل گیا۔

* * *

ایئر ہوسٹس اسے اس کی سیٹ پر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اس نے اپنا سفری بیگ اوپر رکھ دیا تھا اور پھر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ مدیحہ ساتھ والی سیٹ پر براجمان ہو چکی تھی۔

"ممی! ہم پاپا کے پاس کب جائیں گے؟"

گھر سے یہاں تک بیسویں بار مدیحہ نے وہی سوال دہرایا تھا۔

"بیٹا بہت جلد۔" اس نے بیسویں بار وہی جواب دیا تھا۔

اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اس نے سیٹ بیلٹ باندھنا شروع کر دی۔ اپنی سیفٹی بیلٹ باندھنے کے بعد اس نے مدیحہ کی بیلٹ باندھی تھی۔ جہاز میں مسافر ادھر سے ادھر اپنی اپنی سیٹس کی تلاش اور سامان رکھنے میں مصروف تھے۔ وہ بوریت سے ادھر سے ادھر آتے جاتے اسٹیورڈز اور ایئر ہوسٹس کو دیکھتی رہی۔ جہاز کی اکثر سیٹیں خالی تھیں اس کے ساتھ والی تیسری سیٹ بھی ابھی تک خالی تھی کچھ دیر بعد ایئر ہوسٹس اسپیکرز کے ذریعے سب کو سیفٹی بیلٹس باندھنے کے لیے ہدایت دینے لگی، چند منٹوں بعد جہاز ٹیک آف کر گیا تھا۔

وہ اس وقت مدیحہ کی سیفٹی بیلٹ کھول رہی تھی جب آہٹ پر اس نے سر اٹھایا تھا۔ سرخ و سفید رنگت کی ایک بے حد تیکھے نقوش کی بہت سمارٹ سی عورت اس کے پاس کھڑی تھی اس کا چہرہ مسکراہٹ سے عاری تھا۔

"ہیلو ثانیہ مراد! کیسی ہو؟" بہت نرم لہجے میں اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس عورت نے کہا تھا۔

ثانیہ کچھ حیران ہوئی تھی۔ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس نے اس کا چہرہ پہچاننے کی کوشش کی چہرہ شناسا نہیں تھا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم مجھے نہیں پہچانتیں ہم اس سے پہلے کبھی ایک دوسرے سے نہیں ملے۔"

وہ عورت اس کی پریشانی بھانپ گئی تھی۔ ثانیہ مزید حیران ہوئی۔

"میں ایئر ہوسٹس سے پوچھ چکی ہوں، یہ سیٹ خالی ہے۔ اس نے مجھے یہاں بیٹھنے کی اجازت دے دی ہے۔ پھر بھی میں تم سے پوچھ لیتی ہوں۔ کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔"

ثانیہ اس کی بات پر مزید حیران ہوئی تھی۔ "جی بالکل ضرور بیٹھیں۔"

"تھینک یو۔ یہ تمہاری بیٹی ہے؟" اس عورت نے مدیحہ کے گال کو چھوا تھا۔

"ہاں۔" ثانیہ اب بے چین ہو رہی تھی۔

"آپ کون ہیں اور مجھے کیسے جانتی ہیں؟" اس نے پوچھ ہی لیا تھا۔

وہ عورت جواب میں اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔ یوں جیسے اس نے پہلی بار اسے دیکھا ہو پھر اس نے کچھ تھکے ہوئے انداز میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

"تمہیں نہیں جانوں گی تو کسے جانوں گی۔ تمہاری وجہ سے میں نے آٹھ سال پہلے سب کچھ کھو دیا تھا۔ تمہیں کیسے بھلا سکتی ہوں۔"

وہ آنکھیں بند کیے بڑبڑائی تھی۔ ثانیہ الجھ گئی تھی۔

"میں آپ کی بات نہیں سمجھی۔ آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں؟"

"میرا نام ماریہ جہانگیر ہے۔ ڈاکٹر ماریہ جہانگیر۔ مگر تم مجھے نہیں جانتیں میں نے تمہیں بتایا ہے ناں، میں تم سے کبھی نہیں ملی۔" اس نے ایک بار پھر آنکھیں کھول دی تھیں اور اس کی طرف دیکھے بغیر بولنا شروع کر دیا تھا۔

"پھر آپ مجھے کیسے جانتی ہیں؟"

"تمہاری تصویر دیکھی تھی ایک بار کسی کے پاس۔ تب سے آج تک میرے دماغ پر تمہارا چہرہ نقش ہے۔ تم آج بھی ویسی ہو جیسی آٹھ سال پہلے تھیں۔ بدلی نہیں اگر بدل جاتیں تب بھی میں تمہیں پہچان ضرور لیتی۔ تمہیں ایئرپورٹ پر سامان کی چیکنگ کرواتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں اس وقت تمہارے پاس ہی تھی۔ میری سیٹ ایگزیکٹو کلاس میں تھی۔ مگر میں ایئر ہوسٹس سے کہہ کر اکانومی کلاس میں آ گئی ہوں کیونکہ تم سے باتیں کرنی ہیں مجھے، بہت کچھ کہنا ہے مجھے۔"

ثانیہ کو اس کی باتوں سے الجھن ہو رہی تھی۔ وہ اب اس کے چہرے پر نظریں مرکوز کر چکی تھی۔

"کومیل کو جانتی ہو؟ سید کومیل حیدر کو؟"

ثانیہ کو لگا تھا اس کے نزدیک کہیں کوئی بم پھٹ گیا ہو۔ وہ رکے ہوئے سانس کے ساتھ اس عورت کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اسے اب یاد آ گیا تھا ماریہ کون تھی۔ آٹھ سال کے بعد یک بار پھر جیسے کسی نے اس کے چھپے زخم ہرے کر دیے تھے۔

اس دن کومیل کے جانے کے بعد وہ ہاسٹل سے واپس سرگودھا چلی گئی تھی اور پھر دوبارہ یونیورسٹی نہیں آئی۔ اس نے تعلیم چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں بتائی تھی۔ ہر بار اپنے والد کے سوالوں پر اس کا صرف ایک ہی جواب ہوتا۔ "میرا اب پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔ میں آپ سے الگ نہیں رہ سکتی۔"

مراد علی سر پیٹ کر رہ گئے تھے۔ اس نے ان کے سارے خوابوں کو چکنا چور کر دیا تھا۔ وہ بے حد ناراض اور افسردہ تھے لیکن بہرحال انہوں نے اسے مزید مجبور نہیں کیا تھا۔

ثانیہ کی منگنی بی اے کے دوران ہی اس کی پھوپھو کے بیٹے اسد سے ہو چکی تھی جو کویت میں دفاع میں کام کرتا تھا۔ تعلیم چھوڑنے کے چھ ماہ کے اندر اندر اس کی شادی ہو گئی تھی اور وہ پاکستان سے جانے کے بعد بے حد خوش تھی۔ وہ خوف جو چھ ماہ تک سے اپنی گرفت میں لیے ہوئے تھا۔ وہ ختم ہو گیا تھا۔ اب کوئی رودابہ، کسی کومیل کو اس کے سامنے نہیں آنا تھا۔ لوگوں پر سے اس کا اعتبار یک دم جیسے ختم ہو گیا تھا۔ وہ اگر یونیورسٹی نہ چھوڑتی تو شاید پاگل ہو جاتی۔ ہر مرد کا چہرہ اسے کومیل کا چہرہ لگتا۔ ہر لڑکی اسے رودابہ لگتی۔ ہر شخص اسے خود پر ہنستا ہوا لگتا۔

پھر سب کچھ نارمل ہو گیا تھا وہ اسد کے ساتھ بہت پرسکون زندگی گزار رہی تھی۔ ہر سال وہ پاکستان آتی اور اس بار بھی وہ اپنی بیٹی کے ساتھ پندرہ دن پاکستان میں گزارنے کے بعد واپس جا رہی تھی جب ماریہ جہانگیر اس کے سامنے آ گئی تھی۔

"جانتی ہو نا کومیل کو؟" وہ دوبارہ پوچھ رہی تھی۔

ثانیہ کا دل چاہا وہ جہاز کی کھڑکی سے چھلانگ لگا دے۔ ندامت کا احساس کچھ ایسا ہی وزنی تھا۔

"میں کومیل حیدر کی منگیتر تھی کسی زمانے میں۔" ماریہ کی آنکھوں میں کچھ جل کر بجھا تھا۔

ثانیہ ایک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ "بلکہ...... بلکہ محبت کرتے تھے ہم دونوں ایک دوسرے سے۔"

وہ اب بات کرتے ہوئے آہستگی سے اپنے ہاتھ کو بند کر کے کھول رہی تھی۔

"آج تمہیں دیکھا تو دل چاہا، ایک بار پھر سے سب کچھ دوہرانے کو۔ اس کے بارے میں بات کرنے کو۔"

وہ ایک بار سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا چکی تھی۔

"پتا نہیں ہم دونوں میں سے کس نے ایک دوسرے سے زیادہ محبت کی۔ میں نے اس سے یا اس نے مجھ سے۔ شاید میں نے۔ ہمیشہ عورت ہی زیادہ محبت کرتی ہے۔ ہے نا ثانیہ؟"

وہ ایک بار پھر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اس کی رائے لے رہی تھی۔ ثانیہ گونگی ہو چکی تھی۔ اسے حلق سے آواز نہیں نکلی۔

"ہاں۔ میرا خیال ہے۔ میں نے ہی زیادہ محبت کی تھی بلکہ اب بھی کرتی ہوں۔ نہیں محبت نہیں شاید اسے عشق کہنا چاہیے۔ ہم دونوں کو لگتا تھا۔ ہم ایک دوسرے کے وجود کے بغیر ادھورے ہیں۔ اس نے مجھے پہلی بار کسی پارٹی میں دیکھا تھا۔ پھر وہ ایک دوست کے توسط سے مجھ سے ملا۔ میں تب میڈیکل کے تھرڈ ایئر میں تھی۔ بس پتا نہیں کیا ہوا۔ لیکن اس میں کوئی ایسی بات تھی۔ جس نے مجھے مسحور کر دیا۔ پھر ہم اکثر ملتے رہے اور ایک دن اس نے مجھے پرپوز کر دیا۔"

ثانیہ آنکھیں جھپکے بغیر ماریہ جہانگیر کا چہرہ دیکھتی رہی جو اس طرح اپنی داستان سنا رہی تھی جیسے وہ اس کی عزیز ترین دوست ہو۔

"ہماری منگنی ہو گئی، تب اس نے ایم اے میں ایڈمیشن لیا تھا۔ ہم دونوں کی کمال کی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ بہت سی باتیں ہم کہے بغیر ہی سمجھ لیتے تھے یوں جیسے ٹیلی پیتھی ہو گئی ہو۔ مجھے لگتا تھا کہ کومیل حیدر کے سوا دنیا میں میرے لئے اور کچھ ہے ہی نہیں اور اگر کہیں یہ نہ ملا تو مجھے تو دنیا ہی نہیں ملے گی مگر مجھے کوئی خدشہ نہیں تھا۔ آخر وہ مجھے کیوں نہ ملتا۔ وہ مجھ سے محبت کرتا تھا۔ دونوں فیملیز کی رضامندی سے یہ رشتہ ہوا تھا۔ ہم دونوں کی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔ پھر میں ایسے خدشات کیوں پالتی۔ تب ہم اپنی شادی کو پلان کر رہے تھے جب یک دم ہمارے درمیان ثانیہ مراد علی آ گئی...... تم آ گئیں۔"

پتا نہیں ثانیہ کو ماریہ جہانگیر کا چہرہ اس لمحے اس قدر تاریک کیوں لگا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دے اور خوب روئے۔

"نہیں ثانیہ! تم پریشان مت ہو۔ میں تمہیں کوئی الزام نہیں دے رہی۔ تمہاری غلطی نہیں ہے۔ بعض دفعہ ہمیں لگتا ہے کسی شخص سے ہماری بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے مگر ایسا نہیں ہوتا۔ ہم کو غلط فہمی ہوتی ہے عورت کسی مرد کو بھلا کیسے سمجھ سکتی ہے وہ بھی کومیل حیدر جیسے مرد کو۔ میں نے بھی سارا عرصہ اس خوش فہمی میں گزارا تھا کہ میں کومیل حیدر کو سمجھنے لگی ہوں مگر ایسی نہیں تھا اور مجھے اس خوش فہمی نے ڈبو دیا۔ مجھے تمہارے بارے میں روداب نے بتایا تھا پھر کومیل کے بھائی اور بھابھی نے بتایا۔ جب ایک رات روداب تمہیں جان بوجھ کر وارڈن کی اجازت کے بغیر ساتھ لے گئی تھی۔ مجھے پہلے اس ساری کہانی پر یقین نہیں آیا۔ مجھے کومیل پر بے حد اعتماد تھا۔ مگر پھر پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا میں جانتی تھی۔ کومیل تم سے قطع تعلق کر کے خاص طور پر موجد

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

والے واقعہ کے بعد۔ وہ موحد سے بے پناہ محبت کرتا تھا پھر بھی ایک معمولی سی بات پر اس نے تمہاری وجہ سے موحد کو چھوڑ دیا اور تب میں بے پناہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ مجھے تم سے بے پناہ خوف اور نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔ پھر وہ روداپ والا واقعہ پیش آیا اور میں نے کومیل سے بات کرنے کی سوچ لی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ تمہیں چھوڑ دے یا مجھے۔

اور اس نے...... اس نے مجھے چھوڑ دیا۔"

ایک بار پھر ماریہ کے چہرے پر کچھ جل کر بجھ گیا تھا۔

"تب میرا دل چاہا تھا میں تمہیں اور کومیل دونوں کو شوٹ کر دوں۔ میں نے دھوکا کھایا۔ مجھے ایسا لگا تھا، وہ بھی اس شخص کے ہاتھوں جس پر میں نے سب سے زیادہ اعتبار کیا تھا۔ تب مجھے لگا تھا جیسے دنیا ہی ختم ہو گئی تھی شاید سب کچھ ٹھیک ہو جاتا شاید ہم دونوں کا غصہ ختم ہو جانے کے بعد، کچھ دنوں کے بعد دوبارہ ہم میں صلح ہو جاتی مگر پھر تم نے وہ جھوٹ بول دیا یاد ہے ثانیہ! تم نے اس سے کہا تھا کہ میں نے تمہارے پاس آ کر کہا ہے کہ کومیل تم سے فلرٹ کر رہا ہے؟"

وہ یاد نہ بھی دلاتی، تب بھی ثانیہ کو سب کچھ یاد تھا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ اس نے ایک بار پھر بولنا شروع کر دیا۔

"کومیل اس کے بعد صرف ایک بار میرے پاس آیا تھا۔ میرے جھوٹ پر مجھے ملامت کرنے۔ اسے میری کسی بات پر یقین نہیں آیا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ تمہارے پاس لے کر جائے اور پھر تم سے پوچھے کہ کیا میں تمہارے پاس آئی تھی؟ کیا میں نے ایسی بات کہی تھی۔ مگر تب تک تم کچھ کہے کچھ بتائے بغیر ہاسٹل اور یونیورسٹی چھوڑ کر جا چکی تھیں۔ میں نے تمہارے آنے کا بہت انتظار کیا۔ کیونکہ صرف تمہاری گواہی اس کے دل پر جمی بدگمانی کی دھند کو ختم کر سکتی تھی۔ مگر تم نہیں آئیں۔ پتا نہیں ثانیہ! تمہاری بات میں کیا اثر تھا کہ کومیل کو پھر میری بات پر یقین نہیں آیا۔ وہ جانتا تھا کہ میں کبھی جھوٹ نہیں بولتی پھر وہ یہی کہتا رہا کہ جو کچھ ثانیہ نے کہا ہے وہ ٹھیک ہے، جو تم کہہ رہی ہو وہ جھوٹ ہے۔ میں نے بہت کوشش کی تھی سب کچھ ٹھیک کرنے کی مگر پتا نہیں اس کے دل میں میرے خلاف کون سی بدگمانی آ گئی تھی اور پھر میں نے سوچ لیا کہ اب اس شخص سے مجھے کوئی واسطہ نہیں رکھنا۔ مجھے لگتا تھا اسے محبت مجھ سے نہیں تم سے ہوئی ہے۔ میں پتا نہیں کیا تھی۔ راستے کی گرد یا پھر راستے کا پتھر۔ اس نے مجھے ٹھوکر ماری اور میں اس کے راستے سے ہٹ گئی۔"

ماریہ خاموش ہو گئی تھی۔ ایک بار پھر آنکھیں بند کر کے وہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا چکی تھی۔

ثانیہ کا ملال بڑھتا جا رہا تھا۔

"ماریہ! آپ یقین کریں میرے اور کومیل کے درمیان کچھ نہیں تھا۔ مجھے نہیں پتا تھا۔ وہ میرے لئے کیا سوچنے لگا تھا مگر میں نے کبھی بھی اس کے لئے دل میں کوئی غلط جذبات نہیں رکھے۔ پھر بھی میں آپ سے ایکسکیوز کرتی ہوں۔ یہ سب میری غلطی تھی جس کی سزا آپ کو......"

ماریہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی اور بہت نرمی سے اس نے اپنا ہاتھ ثانیہ کے کندھے پر رکھ دیا۔

"نہیں مجھے تمہاری غلطی کی سزا نہیں ملی۔ تمہارا کہیں بھی کوئی قصور نہیں تھا اور میرے دل میں اب تمہارے خلاف کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھے تو

بس اپنی بدگمانیوں کی سزا ملی ہے۔ بہت دعوے تھے مجھے کومیل حیدر کو سمجھنے کے۔ بس اس خوش فہمی نے مجھے مار دیا۔"

"ماریہ! میں آپ دونوں کے درمیان اپنی وجہ سے پیدا ہونے والی یہ غلط فہمی دور کر سکتی ہوں۔ میں کومیل سے ملوں گی اور سب کچھ کلیئر کر دوں گی پھر آپ دونوں شادی کر سکتے ہیں، پھر تو سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے؟"

ثانیہ کو ایک دم پتا نہیں کیا سوجھا تھا۔ وہ کچھ بے چین ہو کر بولی تھی ماریہ ایک ٹک اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر تھکی ہوئی آواز میں اس نے کہا۔

"اب یہ نہیں ہو سکتا ثانیہ! کومیل کی شادی کو سات سال ہو چکے ہیں اور وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ بہت خوش ہے اور میں...... میں بھی شادی کر چکی ہوں۔ میرا بھی ایک بیٹا ہے۔"

"ماریہ! کیا آپ خوش نہیں ہیں۔" ثانیہ نے بے اختیار اس سے پوچھا تھا۔

"شاید خوش ہوتی اگر اس بار کومیل سے نہ ملی ہوتی۔ ثانیہ! میں آخری بار پاکستان آئی ہوں۔ اب مجھے دوبارہ پاکستان نہیں آنا۔ میں دوبارہ کبھی تمہارا اور کومیل حیدر کا سامنا کرنا نہیں چاہتی۔"

ثانیہ نے سر جھکا لیا تھا۔

ماریہ کی خود کلامی جاری تھی۔ "آٹھ سال پہلے منگنی توڑتے وقت میں نے بار بار اس سے پوچھا تھا۔ کومیل! مجھے بتاؤ۔ تمہارا ثانیہ سے رشتہ کیا ہے؟ کس حوالے سے تم اس پر اتنی توجہ دے رہے ہو؟ وہ ہر بار چپ رہتا تھا۔ ہر بار بھڑک اٹھتا تھا اور اس کی یہ خاموشی، یہ غصہ، یہ اضطراب میرے شک کو یقین میں بدلتا گیا تھا کہ وہ تم سے محبت کرنے لگا ہے۔ مگر وہ تب اس کا اعتراف نہیں کرتا تھا اور آٹھ سال کے بعد پچھلے ہفتے اس نے اعتراف کر لیا ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کومیل حیدر! اب تو بتا دو کہ ثانیہ سے کیا رشتہ تھا؟ اب تو کہہ دو۔ تم اس سے محبت کرتے تھے اور اس نے کہا تھا۔

"ہاں ماریہ! میں اس سے محبت کرتا تھا اور محبت کرتا ہوں لیکن صرف...... صرف ایک چھوٹی بہن کی حیثیت سے۔"

ثانیہ کو لگا تھا، کسی نے اسے پہاڑ کی چوٹی سے کسی کھائی میں دھکیل دیا ہو۔

"بہن کی حیثیت سے؟ مجھے اس کی بات سن کر یوں لگا تھا جیسے کسی نے میرے سینے میں ایک خنجر گاڑ دیا ہو۔ میں نے اس سے کہا تھا۔

"اگر تم اسے صرف بہن سمجھتے تھے تو تم نے یہ کہا کیوں نہیں۔ جب میں اتنی بار تم سے پوچھتی رہی تھی تو تم نے کہا کیوں نہیں کہ تم اسے بہن سمجھتے ہو اور پتا ہے وہ ایک بار پھر میری بات پر بھڑک گیا۔ اس نے کہا تھا۔ "میں کیوں کہتا کہ میں اسے بہن سمجھتا ہوں۔ میں کیوں کہتا؟ رشتے کوئی ٹیگ نہیں ہوتے جنہیں بندہ گلے میں ڈال کر پھرتا رہے۔ یہ بہن ہے۔ وہ بیوی ہے۔ یہ بیٹی ہے یا وہ ماں ہے۔ کیا کہے بغیر میں کسی کو بہن نہیں سمجھ سکتا۔ کیا کہنا ضروری ہے۔ تمہیں تو مجھے سمجھنا چاہیے تھا تم بھی دوسروں کی طرح مجھ سے وضاحتیں مانگنے لگی تھیں۔ ثانیہ کون ہے؟ اس سے کیا رشتہ ہے؟ تمہاری زبان پر بھی یہی سوال آنے لگے تھے۔ تم تو دعویٰ کرتی تھیں کہ تم مجھے سب سے زیادہ سمجھتی ہو پھر تم...... میں نے اگر کسی سے محبت کا اعتراف کیا تھا تو وہ بھی تم تھیں اور میں تم سے آج بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنی تمہیں پہلی بار دیکھتے ہوئے میں نے تمہارے لیے محسوس کی تھی لیکن تم نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا۔ تمہیں سوچنا چاہیے تھا کہ میں، میں کومیل حیدر کسی اور سے محبت کر سکتا تھا؟ کیا میں ایسا آدمی تھا جو ہر دوسری لڑکی کو اپنی محبت کا یقین دلاتا

پھر۔ اتنا شک کیوں کیا تھا تم نے؟ اتنی بے اعتباری کیوں تھی تمہیں مجھ پر؟

وہ مجھ سے سوال کر رہا تھا ثانیہ! اور میرا دل چاہ رہا تھا میں اس کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روؤں اور کہوں یہ بے اعتباری عورت کی سرشت، اس کی فطرت میں ہے۔ مجھے اس کو گنوانا تھا۔ اس لئے میں نے اس پر شک کیا تھا۔ تم نے مجھ سے پوچھا ہے نا ثانیہ! کیا میں خوش نہیں ہوں پہلے خوش تھی۔ یہ سوچ کر کہ میں نے اس شخص کو چھوڑا ہے جو کسی اور کی محبت میں مبتلا ہو چکا ہے اور میں اس شخص کی بیوی ہوں جو صرف مجھ سے محبت کرتا ہے لیکن اب، اب میں صبر کیسے کروں۔ یہ سوچتے ہوئے کہ میں نے اپنی ایک معمولی حماقت کے ہاتھوں اس شخص کو گنوایا ہے جو آج بھی صرف مجھ سے محبت کرتا ہے۔ مجھے اب ساری عمر جہانگیر کے چہرے میں کومیل کو تلاش کرنا ہے۔ میں خوش کیسے رہوں گی۔"

وہ بیگ سے ٹشو نکال کر گالوں پر بہتے آنسوؤں کو خشک کرنے لگی تھی اور ثانیہ خالی الذہنی کے عالم میں اس کا چہرہ دیکھتی جا رہی تھی۔

کومیل حیدر، روداب نواز، ماریہ جہانگیر، ثانیہ مراد علی نام جیسے اس کے ذہن میں رقص کرتے جا رہے تھے۔

اس نے آٹھ سال پہلے روداب نواز کو کومیل حیدر کے التفات کے لئے سر پر ہاتھ رکھے روتے دیکھا تھا۔ اس نے آج ماریہ جہانگیر کو ایک بار پھر اسی شخص کے لئے بلکتے دیکھا تھا اور ایک وہ تھی جو مرد کو نہیں سمجھتی تھی اور اسے گمان ہوا تھا کہ صرف کومیل حیدر ایک مرد ہے جسے وہ اچھی طرح جان اور پہچان چکی ہے اور آج......

آج اس کا بھی دل چاہ رہا تھا، وہ روداب نواز کی طرح سر پر ہاتھ رکھ کر روئے، مرد سمجھ میں کہاں آتا ہے۔ مرد سمجھ میں ہی نہیں آتا، چاہے وہ روداب نواز جیسی ہوشیار اور زیرک لڑکی ہو یا ماریہ جہانگیر جیسی پر خلوص اور پاگل کو الیفائیڈ لڑکی یا پھر ثانیہ مراد علی جیسی سادہ اور سیدھی لڑکی ہر ایک کو گمان ہوتا ہے چند لمحے کا گمان اور پھر پوری زندگی ایک گمان بن کر رہ جاتی ہے۔

اور اب یہ ماریہ جہانگیر کس کس کو اس طرح رو رو کر اپنی داستان سناتی پھرے گی اور میں...... میں کس کس سے یہ کہوں گی کہ میں لوگوں کو اور خاص طور پر مرد کو بہت اچھی طرح سمجھ جاتی ہوں اور جب بھی یہ کہوں گی تو مجھے کومیل حیدر یاد آئے گا اور پھر مجھے سب کچھ یاد آ جائے گا۔ اپنی حماقت جس نے کتنی زندگیوں کو عذاب میں ڈال رکھا ہے یا اپنی سمجھداری جواب مجھے کبھی چین لینے نہیں دے گی۔ کتنا اچھا ہوتا میری زندگی میں کبھی کوئی کومیل حیدر نہ آیا ہوتا۔ یا میں کبھی مدد کے لئے اس کے پاس نہ جاتی۔ یا وہ بالکل ویسے ہی انکار کر دیتا جیسے وہ سب کو کرتا تھا۔ یا وہ...... وہ مجھے ایک بار بتا دیتا کہ وہ مجھے کیا سمجھتا ہے یا...... یا ماریہ جہانگیر! تم مجھ سے کبھی نہیں ملتیں۔"

وہ سوچ رہی تھی اور اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ ماریہ کی سسکیاں اب بھی اس کی سماعتوں میں گونج رہی تھیں اور ثانیہ...... ثانیہ ایک بار پھر کومیل حیدر سے ملنا چاہتی تھی۔

* * *

http://kitaabghar.com کتاب گھر کی پیشکش